# نماز میں خشوع وخضوع

وَعَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اِمْرِءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُہٗ صَلٰوۃٌ مَّکْتُوْبَۃٌ فَیُحْسِنُ وُضُوْءَھَا وَخُشُوْعَھَا وَرُکُوْعَھَا اِلَّا کَانَتْ کَفَّارَۃً لِّمَا قَبْلَھَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَا لَمْ یُؤْتِ کَبِیْرَۃً وَ ذٰلِکَ الدَّھْرُ کُلُّہٗ . [رواہ مسلم]

’’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مسلمان جب فرضی نماز کے لیے حاضر ہوتا ہے اس کا وضو اچھی طرح کرے، اورخشوع سے ادا کرے، وہ تمام پہلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے جب تک وہ کبیرہ گناہ نہ کرے اور ہمیشہ ایسا ہوتا رہتا ہے۔‘‘

# حصولِ علم کے شائقین کے لیے خوش خبری

مرکز انصار السنۃ میں ایک سالہ

# التخصص فی الفقہ والقانون

کے لیے اعلانِ داخلہ

**مدارسِ دینیہ سے متخرجین طلبہ میں علمی رسوخ پیدا کرنے کے لیے**

- ❀...... الفقہ المقارن
- ❀...... الفقہ الواقع
- ❀...... القواعد الفقہیۃ
- ❀...... القضایا الفقہیۃ المعاصرۃ
- ❀...... القانون الجزائی
- ❀...... القانون المدنی

جیسے اہم مضامین میں تخصص ..........................

- ❀...... علمی وتحقیقی مقالہ جات لکھوانے کی مشق
- ❀...... اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ کی خدمات
- ❀...... کامیابی پر سند تخصص

طلباء کو ماہانہ 3000 روپے اسکالرشپ

**❀...... شعبہ حفظ قرآنِ کریم میں داخلہ بھی جاری ہے۔**

## شرائط داخلہ

① ...... طالب علم کی عمر پچیس (۲۵) سال سے زیادہ نہ ہو۔

② ...... عصری تعلیم کم از کم میٹرک پاس ہو۔

③ ...... اصلی اسناد مع شناختی کارڈ ہمراہ لائیں۔

**انٹرویو کی تاریخ: 20 ستمبر 2010ء**


## حافظ ثناء اللہ بن عیسیٰ خان المدنی

جامع خالد بن ولید زبیر کالونی عقب جنرل ہسپتال لاہور۔ رابطہ: 0334-4382195 / 0345-8030800

# فہرست

# تشخیص اور علاج

**اداریہ** حافظ احمد شاکر

عمومی طور پر انسان کی زندگی میں اخراجات کی میانہ روی ہی کامیابی کا سبب ہوتی ہے۔اسلام نے اس میانہ روی کو قناعت کا نام دیا ہے۔اس لیے کہ قناعت میں راضی بہ رضائے الٰہی کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اور یہی مفہوم مسلمان کو اطمینان اور آخرت کے ثواب سے نوازتا ہے۔قناعت ایک ایسی نعمت ہے جو توفیق باری تعالیٰ کی ارزانی کے بغیر نہیں ملتی اور توفیق اس وقت میسر ہوتی ہے جب انسان حواس خمسہ کی حاضری کے ساتھ بارگاہِ ربّ العزت سے طلب کرتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ضرور عطا فرماتا ہے۔اور قناعت سے محرومی! اس کے بارے میں صرف یہی سن لیجیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بھوکے بھیڑیے کو اگر بکریوں کی ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے تو وہ اتنی تباہی نہیں مچاتا جتنی حصولِ دنیا کی خاطر حرص وہوس کا بندہ تباہی مچاتا ہے۔

---

**من حیث الفرد** اور **من حیث القوم** ہم اگر توجہ نہ کریں تو اور بات ہے وگرنہ وطن عزیز اس وقت جن فتنوں اور آزمائشوں سے دوچار ہے قرآنِ حکیم کی آیات میں اس طرف ہمیں بار بار متوجہ کیا گیا ہے لیکن ہمیں تو وہ تب نظر آئیں جب ہم قرآن کریم یا اس کے نازل کرنے والے کی طرف توجہ کریں لیکن ہم ہیں کہ اپنی عقل کے گھوڑے خوب دوڑاتے ، اپنی دانشوری بکھیرتے ، اسباب پہ اعتماد بلکہ کفار کی پالیسیوں پر اعتماد کرتے ہیں لیکن ہم اگر توجہ نہیں کرتے تو قرآنِ کریم کی طرف ہی نہیں کرتے اس کے نازل کرنے والے کی طرف نہیں کرتے اور جس پر قرآن نازل ہوا اس کی تشریحات کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ان احکامِ الٰہیہ اور اس کی تشریحات کا لب لباب یہ ہے کہ موجودہ حالات ہمارے اپنے اعمال ہی کا کیا دھرا ہیں۔
اس موضوع پر چند آیات قرآنیہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ o ﴾

’’پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے جو ان کو دی گئیں تھیں خوش ہو گئے تو ہم نے ان کو پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے تھے۔‘‘[الانعام ٦ : ٤٤]

﴿ وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾

’’اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے تو ہم ان پر آسمان وزمین ( کی برکات ) کے دروازے کھول دیتے مگر انہوں نے تکذیب کی۔سو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے ان کو پکڑ لیا۔‘‘[الاعراف ٧ : ٩٦]

﴿ اَوَ لَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَ لَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ o ﴾[التوبة ٩ : ١٢٦]

’’کیا یہ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک یا دو بار بلا میں پھنسا دیئے جاتے ہیں پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں۔‘‘

﴿ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ o ﴾[الروم ٣٠: ٤١]

’’خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تا کہ خدا ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔‘‘

﴿ وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ o ﴾[الشوریٰ ٤٢ : ٣٠]

''جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے اپنے فعلوں سے ہے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف کر دیتا ہے۔''

اسی طرح سنن ترمذی میں حضرت علیؓ کی ایک روایت کے مطابق نبی ﷺ نے مصائب نازل ہونے کے پندرہ اسباب کی نشان دہی فرمائی ہے:

① ...... جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنالیا جائے۔ ② ...... جب امانت کو مالِ غنیمت سمجھ لیا جائے۔ ③ ...... جب زکوۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے۔ ④ ...... جب شوہر بیوی کا مطیع ہو جائے اور ⑤ ...... ماں کا نافرمان ہو جائے۔ ⑥ ...... جب دوستوں سے بھلائی کرے اور ⑦ ...... باپ پر ظلم ڈھائے۔ ⑧ ...... مساجد میں شور مچایا جائے۔ ⑨ ...... قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا سربراہ بن جائے۔ ⑩ ...... آدمی کی عزت اس کے شر کے خوف سے ہونے لگے۔ ⑪ ...... نشہ آور اشیاء کھلم کھلا استعمال ہونے لگیں۔ ⑫ ...... مرد ریشم پہننے لگیں۔ ⑬ ...... آلاتِ موسیقی اختیار کیے جانے لگیں اور ⑭ ...... گانے بجانے والی لڑکیاں فراہم کی جائیں۔ ⑮ ...... پچھلے لوگ پہلوں پر طعن کرنے لگیں۔

اوپر درج کی گئی چند آیات اور صرف ایک حدیث بیان کی گئی یہ حدیث اپنی تفصیلات یا زیرِ قلم عنوان پر کافی وشافی ہے۔ وطن عزیز کی آزمائشوں، دہشت گردی، زلزلے، سیلاب، بدامنی، بے روزگاری، مہنگائی، وقت، پیسہ اور علم کی بے برکتی کو ہم اگر مذکورہ بالا آیات وعلاماتِ نزولِ مصائب کے آئینہ میں دیکھیں تو خدا لگتی بات ہے کہ کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔ ان پندرہ علامات کے بارے میں ہمیں یہ دیکھنے یا جائزہ لینے کی ضرورت نہیں کہ ہم میں اس وقت کون کون سی علامات ہیں بلکہ الم ناک اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ آیا ان میں سے کوئی ایسی علامت ہے بھی جو ہم میں نہ پائی جاتی ہو؟ ہمارا خیال ہے کہ شاید اگر کوئی باقی رہ گئی ہو تو وہ ایک آدھ ہی ہوگی باقی سب علامات ہم میں اس حد تک موجود بلکہ سرایت کر چکی ہیں کہ ہمیں ان کے گناہ یا باعث عذاب ہونے کا احساس تک نہیں اور یہ وہ مقام ہے جس کے بعد توبہ وانابت کے دروازے بند ہونے کا وقت قریب آجاتا ہے۔ **اللهم لا تقتلنا بغضبك و لا تهلكنا بعذابك۔ آمین**

---

ان آیات واحادیث کی روشنی میں ہم اگر اپنے قومی مرض کی تشخیص کریں تو ہمارے خیال میں مرض قناعت سے محرومی ہے۔ ہمارے معاشرے کا ہر طبقہ کیا سیاسی اور کیا دینی ہر طبقہ کم وبیش قناعت کی نعمت سے محروم ہے۔ ہماری رگ وجان میں اس بیماری کا بنیادی سبب دین سے دوری ہے جس کے باعث ہر خاندان ابتداءً آسائشیں اختیار کرتا ہے، پھر ان کو ایسی ضرورت بنالیتا ہے کہ جن کے بغیر زندگی ہی ادھوری گمان کی جانے لگتی ہے۔

یہ رجحان تو نمو پہلے ہی پا رہا تھا لیکن روشن خیال حکومت نے نیو ورلڈ آرڈر کے ایجنڈے پر عمل کرتے ہوئے جب سے وطن عزیز میں پرائیویٹ ٹی وی چینلز کی فراخدلی سے اجازت دینی شروع کر دی۔ نیز سیاست کے عالمی شاطروں کے حسب پروگرام سرمایہ کاری کے عنوان پر پاکستان کی دولت پاکستان سے باہر لے جانے کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کو وطن عزیز میں اپنی آرائشی وآسائشی مصنوعات کی کھلے بندوں تجارت کی اجازت دی کہ کمپنیوں کی تشہیر سے ہی ٹی وی چینلز کے اخراجات پورے ہونے تھے تو اس آڑ میں گاڑیوں، موٹر سائیکلوں، شیمپو، موبائل فون، اے سی، ریفریجریٹر کی اس طرح تشہیر کی گئی کہ یہ سب آسائشیں متوسط طبقے سے سفید پوش طبقے تک سب کی ضرورتیں بن چکی ہیں۔ بینکاری کو اسلام کا پیوند لگا کر اس کو عام کیا جا رہا ہے مکانوں کی لیز اور کریڈٹ کارڈ کا خالص سودی کاروبار بہت سوں کا کچومر نکال رہا ہے۔

باقی رہا اس کا علاج! تو وہ صرف دین کا علم سیکھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کا احترام کرنے ہی سے ممکن ہے۔ اس کے لیے سب سے زیادہ اہل دین...... علماء...... کا حسن عمل ہے کہ وہ رزق میں احتیاط، معاملات میں اچھائی، دین کا علم پہنچانے میں دیانت بایں معنی کہ اچھے سے اچھے انداز میں صحیح بات ہی عوام الناس تک پہنچائیں کہ علماء کے ورثة الانبیاء ہونے کا یہی حق ہے نہ یہ کہ ہر آسائش، آرائش اور آلائش کو **واما بنعمة ربك فحدث** کے غلاف میں لپیٹنے کی سعی نامشکور کرتے رہیں۔

درس قرآن — قسط نمبر ⑨

# تفسیر سورۂ ق

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴾

[ق : ۷،۸]

''اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں ہم نے پہاڑ جمائے اور اس میں ہر طرح کی خوش منظر نباتات اُگا دیں۔ یہ سب آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں، ہر اس بندے کے لیے جو رجوع کرنے والا ہے۔''

''الارض'' زمین، یہ آسمان کے مدمقابل ہے۔ جس طرح بسا اوقات بلندی کو آسمان سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی طرح پستی اور نیچے کو زمین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ آسمان کی طرح زمین کو دیکھو اور اس پر غور کرو، جسے ہم نے پھیلایا ہے، نہ آسمان کو بنانے اور زینت بخشنے والا ہمارے سوا کوئی اور ہے اور نہ ہی زمین کو ہمارے علاوہ کوئی بنانے والا ہے۔

اس زمین کی مختلف نوعیتیں ہیں، کوئی حصہ ریت اور شور ہے، تو کوئی حصہ سخت اور سنگلاخ ہے، کوئی حصہ ہموار ہے، تو کوئی بلند و پست ہے، کسی جگہ کوئی فصل پیدا ہوتی ہے تو کسی جگہ دوسری فصلیں پیدا ہوتی ہیں، یہی صورت اس میں جڑی بوٹیوں اور درختوں کے پیدا ہونے کی ہے، جس طرح آسمان کو ستاروں سے سجایا ہے، اسی طرح زمین کو سبزہ زار بنا کر خوب صورت بنایا ہے۔ پھر اسی زمین میں بہت سے خزانے بھر دیئے ہیں، اس میں سونا، زمرد، ہیرے اور جواہرات وغیرہ ہیں تو اس میں کوئلہ، گندھک، تیل اور گیس وغیرہ کے ذخائر بھی ہیں۔ زمین سے پیدا ہونے اور برآمد ہونے والی تمام اشیاء

﴿ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ [البقرۃ : ۲۹]

''سب انسانوں کے فائدہ اور بہتری کے لیے ہیں۔''

اسی کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴾[الذاریات : ۲۰]

''زمین میں یقین والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔''

جس خالق مطلق نے زمین کی یہ بستی بسائی ہے کیا یہ سب بے مقصد اور کسی کھلنڈرے کا کھیل ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں، جب قادرِ مطلق کا کوئی کام بے مقصد نہیں ہوتا تو یہ عظیم الشان کارخانہ قدرت بے نتیجہ کیوں کر ہوسکتا ہے؟ جس مالک نے تمہارے لیے یہ سب کچھ بنایا اور آباد کیا ہے یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے اس کا حساب نہ لے؟ اور شکر گزاروں، اطاعت گزاروں اور وفا شعاروں کو اور متمردوں، باغیوں، ناشکروں کو ایک ہی پلڑے میں رکھ دے اور نیکی اور بدی کو یکساں قرار دے! اس زمین پر انسان زندگی گزارتا ہے تو اسی زمین میں دفن ہوتا ہے۔

﴿ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴾

''کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کے لیے سمیٹنے والی نہیں بنایا؟''[المرسلات : ۲۵،۲۶]

اسی زمین سے انسان کو بنایا گیا ہے اسی میں وہ بسیرا کرتا ہے، اسی سے اس کی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں اور مرنے کے بعد اسی میں دفن ہوتا ہے، جو اس میں دفن نہیں ہوتے، آگ میں جلنے یا پانی میں ڈوب مرنے والے بھی کسی نہ کسی واسطہ سے اسی میں جذب ہوجاتے

ہیں۔انسانوں کے علاوہ کتنی مخلوق ہے، جو اس زمین پر بس رہی اور ان کی ضروریات بھی سب اسی زمین کے ذریعے سے پوری ہو رہی ہیں، وہ بھی اسی زمین میں مرتے اور اس میں کھپ جاتے ہیں۔ جس مالک اور قادرِ مطلق نے یہ سارا نظام اسی زمین پر چلا رکھا ہے تو کیا اس میں ملنے اور کھپنے والوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر وہ قادر نہیں؟

اسی زمین میں اللہ تعالیٰ نے پہاڑ بنائے جن کے مختلف رنگ اور مختلف وجود ہیں، کوئی سرسبز و شاداب ہیں تو کوئی خشک۔

﴿ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيبُ سُودٌ ﴾ [فاطر: ٢٧]

''اور پہاڑوں میں بھی سفید، سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں ہوتی ہیں، جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔''

پہاڑوں کی اسی کیفیت پر غور و تدبر کے لیے سورۃ الغاشیہ میں فرمایا:

﴿ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ٥ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ٥ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ٥ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ٥ ﴾ [الغاشیه: ١٧-٢٠]

''کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں؟ آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اوپر اٹھایا گیا ہے؟ اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کیسے جمائے گئے ہیں؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی ہے؟''

انہیں آخرت پر یقین نہیں تو یہ سوچیں کہ یہ سب اشیاء اگر بن سکتی ہیں اور بنانے والے نے بنا دی ہیں تو اس کے لیے قیامت قائم کرنے اور مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ کرنے میں کیا دقت ہوسکتی ہے؟

زمین میں پہاڑوں کی ارفع و اعلیٰ چوٹیاں اور ان کے مختلف رنگ ڈھنگ اگر ممکن ہیں تو انسانوں میں ارفع و اعلیٰ انبیائے کرام علیہم السلام کا بنایا جانا کیوں ناممکن ہے؟ پتھر اگر اپنے انواع و اقسام میں مختلف ہوسکتے ہیں تو انسان میں یہ تقسیم بعید کیوں ہے؟ یوں یہ آیت جہاں قیامت کے وجود کی دلیل ہے اس میں انبیائے کرام علیہم السلام کی سچائی اور رسول اللہ ﷺ کی حقانیت کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔

زمین میں پہاڑ ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر قسم کی خوشنما نباتات بھی پیدا کی ہیں۔ ﴿ بهيج ﴾ بَهُجَ سے مشتق ہے، یعنی خوش نما۔ سورۃ النمل میں ہے:

﴿ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ﴾ [النمل: ٦٠]

''کہ پانی سے ہم نے زمین میں ہر طرح کی خوش نما چیزیں اُگائیں۔''

جو خالق و مالک نباتات اور جڑی بوٹیوں کے بیج کو زمین میں دفن ہو جانے کے بعد وقت مقرر پر طرح طرح کے شگوفے بنا کر نکالتا اور انہیں دوبارہ زندگی بخشتا ہے وہ انسان کو زمین میں دفن ہونے اور اس کے مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ پیدا کیوں نہیں کرسکتا؟ زمین میں یہ انقلاب تم ہر سال دیکھتے اور اللہ کی قدرت کا مظاہرہ کرتے ہو، مگر اسی زمین سے انسان کے دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے اور اسے محال جانتے ہو۔ جو مالک و خالق پودوں کو دوبارہ زندگی دینے پر قادر ہے، اس کے لیے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس آیت میں گو اجمال ہے مگر سورۃ النباء میں زمین و آسمان اور اس کے مابین مختلف اشیاء کے ذکر سے آخرت پر استدلال تفصیلاً ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ٥ وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا ٥ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ٥ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ٥ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ٥ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ٥ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ٥ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ٥ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ٥ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ٥ وَجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ٥ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ٥ ﴾ [النباء: ٦-١٧]

''کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟ اور ہم نے پہاڑوں کو میخوں کی طرح نہیں گاڑا؟ اور ہم نے تمھیں (مردوں اور عورتوں کی شکل میں) جوڑے جوڑے بنایا، اور ہم نے تمہاری نیند کو باعث سکون بنایا، اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا، اور ہم نے روشن چراغ (سورج) بنایا، اور ہم نے بادلوں سے بارش برسائی، تا کہ ہم اس کے ذریعے سے غلہ، سبزی اور گھنے باغات اُگائیں، بے شک فیصلے کا دن مقرر ہے۔''

گویا سمجھایا یہ گیا ہے کہ زمین وآسمان اور ان کے مابین کائنات کا یہ نظام ایک قادرِ مطلق کی قدرت کے بغیر جاری ساری نہیں رہ سکتا، جو قادر اس تمام نظام کو چلانے پر قادر ہے وہ اسے فنا کر کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے، اس کے لیے اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے، جب وہ وقت آئے گا تو اس کے حکم سے سب دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ زمین وآسمان اور اس کے مابین کی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے لیے بھی بطورِ دلیل ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو: **الرعد :۳، لقمان: ۱۰،۱۱**

جس طرح پہلی آیت میں آسمان کی تخلیق میں تین چیزوں کا ذکر ہوا ہے: بناء، تزئین، عدم الفروج۔ اسی طرح دوسری آیت میں زمین کے حوالے سے بھی تین ہی چیزوں کا ذکر ہے: المد، القاء الرواسی، نباتات اور یہ تینوں باہمی ایک دوسرے کے مقابل میں ذکر ہوئی ہیں۔ ''مد'' میں نیچے کی صورت ہوتی ہے جب کہ ''بناء'' میں بلندی کی، زمین میں پہاڑ ہیں تو آسمان میں سورج اور چاند مرکوز ہیں۔ زمین میں نباتات ہیں جو زمین کے پھٹنے سے نکلتے ہیں۔ جب کہ آسمان میں ستارے بنائے۔ زمین وآسمان کا یہ نظام، اور قدرتِ الٰہی کے یہ مظاہر توجہ کرنے والوں کے لیے عبرت، معرفت وبصیرت اور نصیحت ویاددہانی کا باعث ہیں۔

"تبصرة" بَصَرَ سے ہے۔ "بَصَرٌ" کی جمع ''ابصار'' ہے۔ قوت بینائی کو "بصر" کہتے ہیں اور کسی چیز کو دیکھ کر اس سے عبرت اور سبق حاصل کرنے کو بصیرت اور دل کی بینائی کہتے ہیں۔ اور اسی معنی کے لیے ''تبصرة'' اور ''بصیرة'' کا لفظ ہے اور اس کی جمع بصائر ہے۔ محض آنکھ سے دیکھنے کے لیے ''بصیرة'' کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اور "الذکریٰ" کے معنی دراصل کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنا ہے اور اس میں "الذکر" سے زیادہ مبالغہ ہے۔[المفردات]

مراد یہ ہے کہ غفلت چھوڑ کر اللہ کو یاد کیا جائے، یہ سارا کارخانہ قدرت جہاں بصیرت کا باعث ہے، وہاں اللہ کی یاددہانی اور نصیحت کا سبب بھی ہے، مگر یہ بصیرت ونصیحت توجہ اور رجوع کرنے والوں کے لیے ہے۔

''منیب'' نوب سے ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی چیز کا بار بار لوٹ آنا۔ اسی سے ہے الإنابة إلى الله یعنی توبہ اور اخلاصِ عمل کے ساتھ اللہ کی طرف لوٹنا۔ گویا قرآنِ مجید سے وہی فیض یاب ہوتے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے اور اس کی رضا کے جویندہ ہیں، اور ہدایت بھی انہی کا مقدر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴾

[الرعد: ۲۷]

''اے نبی ﷺ! کہہ دیں اللہ جنہیں چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور ہدایت عطا فرماتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔''

یہ نعمت راہِ حق کی جستجو کرنے والوں کے لیے ہے، بے پرواہوں اور ناقدروں کے لیے نہیں۔ زمین وآسمان کی نشانیوں سے مستفید ہونے والے منیبین کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنْ نَشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ۝﴾ [سبا: ۹]

''کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے آسمان اور زمین ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا آسمان کا ایک ٹکڑا ان پر گرا دیں، بے شک اس میں نشانی ہے

ہر رجوع کرنے والے کے لیے۔''

یہ محض اس کی عنایت ہے کہ تم بچے ہوئے ہو، ورنہ وہ ایک لحظہ میں تمہیں ہلاک کرسکتا ہے۔ یہ زمین وآسمان اور اس کا سارا نظام اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، تم بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے، جب وہ چاہے تمہارے قدموں کے نیچے زمین میں کوئی زلزلہ لاکر اسی زمین کو تمہارا مرقد بنادے، اور جب چاہے اسی آسمان سے کوئی بجلی یا ناگہانی آفت گرا کر تمہیں تہس نہس کردے۔ پھر جس قادرِ مطلق کے یہ زمین وآسمان ہیں اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ مرنے کے بعد انسان کے اجزا جہاں جہاں بکھرے پڑے ہیں انہیں زمین سے نکال لے۔ جو زمین اس کے حکم سے تمہارے لیے لقمۂ اجل بن سکتی ہے، وہی اس کے حکم سے تمہیں اُگل بھی سکتی ہے۔ بلکہ یوں ہو بھی چکا ہے جو اہل ایمان کے لیے مزید یقین کا باعث ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایک آدمی نے اپنے آپ پر بہت ظلم وزیادتی کی، فوت ہوتے ہوئے اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں فوت ہوجاؤں، تو مجھے آگ میں جلادینا اور میری نصف راکھ ہوا میں اڑادینا اور نصف دریا میں بہادینا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھے اٹھالیا تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ کسی اور کو اس قدر عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا۔ چناں چہ وہ شخص مرگیا تو اس کے بیٹوں نے اسی طرح کیا جس طرح ان کے باپ نے کہا تھا، اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا جو تمہارے اندر راکھ ہے اسے جمع کرو، اور ہوا وفضا کو حکم دیا جو ذرات تمہارے اندر ہیں انہیں جمع کردو۔ یوں اس کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کیا، اور اس سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے عرض کیا:

مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ ۔

''اے میرے ربّ! آپ سے ڈرتے ہوئے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اسی خوف وڈر کی بناپر اسے معاف کردیا۔

[بخاري: ٧٥٠٦۔ مسلم: ٦٩٨٠]

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں اپنے ایک بندے کا تذکرہ فرمایا ہے جو تباہ حال بستی کے قریب سے گزرا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ بارِالٰہا! اس بستی کو اس کی ویرانی اور بربادی کے بعد آپ کیوں کر زندہ کریں گے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی وہیں روح قبض کرلی اور سوسال تک اسے موت کی آغوش میں رکھا، پھر اسے زندہ کیا اور اس سے پوچھا بتلاؤ کتنی دیر یہاں ٹھہرے رہے ہو، تو اس نے جواباً عرض کیا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہیں تم تو سوسال تک یہاں پڑے رہے ہو، تم اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھو جو زادِ راہ کے طور پر تم نے اپنے ہمراہ رکھی تھیں وہ بھی بدبودار نہیں ہوئیں۔ جب کہ تمہاری سواری گدھے کی ہڈیاں گوشت سے ننگی ہوکر متفرق اور بوسیدہ ہوگئی ہیں، ان ہڈیوں کو دیکھو ہم انہیں کس طرح حرکت دیتے ہیں اور انہیں مناسب طور پر جوڑتے ہیں، پھر ان ہڈیوں کو گوشت پوست کی پوشاک پہناتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ تمہیں لوگوں کے لیے اپنی قدرتِ کاملہ کی ایک نشانی بنادیں۔ جب یہ سب کچھ ہوتا ہوا اس اللہ کے بندے نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو پکار اٹھا:

﴿ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ [البقرة: ٢٥٩]

''بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اس آیت کے بعد اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی ذکر کیا ہے اور بتلایا ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل اور محال نہیں وہ ہر کام پر قادر ہے۔

مظاہر قدرت سے نصیحت حاصل کرنے والوں کے بارے میں ہی ارشاد ہوتا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِىْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴾ [المؤمن: ١٣]

''وہی ہے جو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لیے رزق نازل کرتا ہے، مگر ان سے سبق صرف وہی لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔''

جو اللہ سے پھرا ہوا ہے وہ بڑی سے بڑی نشانی دیکھ کر بھی نصیحت

حاصل نہیں کرتا، وہ یہ تو دیکھتا ہے کہ یکا یک ٹھنڈی ہوا آئی، بادل گرجا، بجلی چمکی، بارش برسی اور ہماری روزی کا سامان بن گیا، مگر یہ نہیں سوچتا کہ یہ سب کچھ کون کر رہا ہے، اور ایسے منعم کے میرے اوپر کچھ حقوق بھی ہیں کہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس وصف کی بنا پر تعریف کی ہے:

﴿إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ o﴾ [هود: ٧٥]

''بے شک ابراہیم بردبار، نرم دل، اللہ کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔''

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے مومن کی اس صفت کے بارے میں مدارج السالکین (ص:٤٦٦۔٤٧٤، ج:١) میں بڑی نفیس بحث کی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ مرتبہ توبہ کے بعد ہے اور چار اوصاف اس کو متضمن ہیں اللہ کی محبت، اللہ کے لیے خضوع، اللہ کی طرف اقبال وتوجہ، اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے اعراض۔ جس میں یہ چار صفتیں نہیں وہ ''منیب'' کی صفت سے متصف نہیں ہوسکتا۔ شائقین اس حوالے سے المدارج کی مراجعت فرمائیں۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ تقویٰ کی اگرچہ سب سے اعلیٰ اور ارفع کیفیت یہ ہے کہ انسان غفلت شعار نہ ہو بلکہ ہر لمحہ اللہ کا ذاکر وشاکر رہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

أَنْ يُّطَاعَ فَلَا يُعْصٰى ، وَيُذْكَرُ فَلَا يُنْسٰى وَأَن يُّشْكَرَ فَلَا يُكْفَرُ . [الحاكم]

''کہ اللہ کی ایسی اطاعت کہ پھر نافرمانی نہ کی جائے اور اللہ کا ایسا ذکر کہ پھر اس کو بھولے نہ، اور اس کا ایسا شکر کہ پھر ناشکری نہ ہو۔''

لیکن انسان خطا، سہو اور نسیان کا پتلا ہے، خطا کے بعد اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ ''منیب'' ہے۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لیے کشاں کشاں حاضری بھی ''منیب'' ہی کا مقدر ہے، جو اللہ تعالیٰ سے تعلق کا مظہر ہے۔

## بقیہ: اعتدال وتوازن

یعنی ''بعض مواقع پر کنایہ صراحت سے زیادہ بلیغ اور اختصار تفصیل سے بڑھ کر فصیح ہوتا ہے۔''

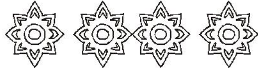
چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں جہاں قوانین کا بیان ہے وہاں صراحت بھی ہے اور تفصیل بھی مثلاً مسائل وراثت، قوانین نکاح وطلاق اور قرض ولین دین کے مسائل وغیرہ۔ مگر جہاں ادب آداب کا بیان ہے وہاں اشارہ واختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اقبال کا یہ شعر بھی ہمیں بہت کچھ سمجھا رہا ہے۔

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

آخر میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ سورۃ بقرۃ کی آیت ٢٢٢، ٢٢٣ کو مختلف تفسیروں اور بالخصوص تفہیم القرآن اور فی ظلال القرآن کی روشنی میں ایک بار پھر مطالعہ کریں، پھر اپنی کتاب ''ازدواجی خوشیاں'' پر ایک نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ اس میں ﴿وابتغوا ما كتب الله لكم﴾، ﴿فأتوهن من حيث أمركم الله﴾ اور ﴿قدموا لانفسكم﴾ کے احکام قرآنی کو کہاں تک ملحوظ رکھا گیا ہے۔

﴿إن الله يحب التوابين ويحب المتطهرين﴾ اور ﴿هن لباس لكم وأنتم لباس لهن﴾ کے قرآنی ریمارک کا مصداق ومستحق بننے کی ضرورت کو کہاں تک یاد رکھا گیا ہے۔ نیز ﴿واتقوا الله واعلموا أنكم ملاقوه﴾ کی تذکیر وتنبیہ الٰہی پر کتنا دھیان دیا گیا ہے اور دعائے مباشرت (بسم الله اللهم جنبنا الشيطن وجنب الشيطن ما رزقتنا) کا بھی کہیں کوئی موقع ہے؟

إن أريد إلا الاصلاح وما توفيقي إلا بالله .



درسِ حدیث

# توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیو کرول شالامار باغ۔لاہور)

٧٣٦. عن عائشةَ رضى الله عنها قالتْ: سُئِلَ النَّبیُّ ﷺ: أيُّ العِبادةِ أفْضَلُ؟ قال: (( دُعاءُ المَرْءِ لنفسِهِ )).

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کون سی عبادت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: آدمی کا اپنے لیے دعا کرنا۔''

٧٣٧. عن رجل من اهل البصرة سمعتُ معقلَ بنَ يَسَار يقول: انطلقتُ مع أبى بكرٍ الصّدّيق رضى الله عنه إلى النّبىّ ﷺ فقالَ: يا أبا بكرٍ، لِلشِّرْكُ فيكُمْ أخفى مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلِ. فقالَ أبوبكر: وهلِ الشِّرْكُ إلّا مَنْ جَعَلَ معَ اللّٰهِ إلٰهًا آخرَ؟ فقالَ النَّبیُّ ﷺ: ((والذى نفسى بيدِهِ لِلشِّرْكُ أخفٰى مِنْ دَبيبِ النَّمْلِ، ألا أدلُّكَ على شیءٍ إذا قُلْتَهُ ذهبَ عنكَ قليلُهُ وكثيرُهُ؟)) قالَ: ((قُلْ: اللّٰهمَّ إنّى أعوذُبكَ أنْ أُشْرِكَ بِكَ وأنا أعلمُ، وأسْتَغْفِرُكَ لِمَا لا أعْلَمُ)). [صحيح]

''حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر شرک تم میں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ ہلکی چال میں آتا ہے۔ ابوبکر نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کے علاوہ بھی کوئی شرک ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ ہلکی رفتار میں ہوتا ہے۔ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جب تم اس کو پڑھ لوگے تو شرک کا قلیل اور کثیر سب تم سے دور ہو جائے گا۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس چیز سے کہ میں جان بوجھ کر تیرے ساتھ کسی کو شریک کروں جس کو میں جانتا ہوں اور میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں جس کو میں نہیں جانتا۔''

باب: الدعاء عند الريح

ہوا کے وقت دعا کرنا

٧٣٨. عن أنسٍ، قالَ: كانَ النَّبیُّ ﷺ إذا هاجَتْ رِيحٌ شديدةٌ قالَ: (( اللّٰهمَّ إنّى أسْألُكَ مِنْ خَيْرِ ما أُرْسِلَتْ بِهِ، وأعُوذُبِكَ مِنْ شرِّ ما أُرْسِلَتْ بِهِ )). [صحيح]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تیز ہوا چلتی تو رسول اللہ ﷺ فرماتے، اے اللہ! میں تجھ سے اس خیر کا سوال کرتا ہوں جس خیر کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس شر سے جس کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے۔''

٧٣٩. عن سلمةَ قالَ: كانَ إذا اشتدَّتِ الرِّيْحُ يقُولُ: (( اللّٰهمَّ لاقِحًا، لاعَقِيْمًا )). [صحيح]

''حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہوا بہت تیز ہو جاتی تو یہ دعا کرتے، اے اللہ! اس ہوا کو بارش برسانے والی بنا، بارش سے خالی جانے والی بانجھ نہ بنا۔''

باب: لا تسبوا الريح

ہوا کو برا نہ کہو

٧٤٠ . عن أُبيّ قال: لا تَسُبُّوا الرِّيْحَ فإذَا رأيتُمْ منها ما تَكْرَهُوْنَ ، فقُولُوا: اللّٰهُمَّ إنَّا نَسأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الرِّيحِ وخَيْرَ ما فيها وخيرَ ما أُرْسِلَتْ بهِ ، ونَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّيْحِ وشَرِّ ما فيها ، وشَرِّ ما أُرْسِلَتْ لهُ . [صحيح]

''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے ہوا کو برا نہ کہو جب تم اس میں ایسی چیز کو دیکھو جو تم کو پسند نہیں ہے تو یہ دعا کیا کرو۔اے اللہ! میں تجھ سے اس ہوا کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور اس خیر کا جو اس میں ہے اور جس خیر کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اور میں اس ہوا کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور اس شر سے جو اس میں ہے اور اس سے جس کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے۔''

٧٤١ .عن أبي هريرةَ يقولُ: قالَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ: (( الرِّيْحُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ ، تَأْتِي بالرَّحْمَةِ والعَذَابِ ، فَلَا تَسُبُّوهَا ولٰكِنْ سَلُوا اللّٰهَ مِنْ خَيْرِها ، وتعوَّذُوا باللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا )) .[صحيح]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہوا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عذاب کے ساتھ آتی ہے اس کو گالی نہ دو۔اللہ تعالیٰ سے اس کی خیر مانگو اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگو۔''

باب: الدعاء عند الصواعق

بجلی کے چمکنے کے وقت کی دعا

٧٤٢ . عَنْ عبد اللّٰه بن عمر قال: كانَ النَّبيُّ ﷺ إذا سَمِعَ الرَّعْدَ والصَّوَاعِقَ قالَ: (( اَللّٰهُمَّ لا تَقْتُلْنَا بَصَعْقِكَ ، ولا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ ، وعَافِنَا قبلَ ذٰلِكَ )) .

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بادل کے گرجنے اور بجلی کے چمکنے کی آواز سنتے تو یہ دعا فرماتے۔اے اللہ! ہمیں بادل کی کڑک سے قتل نہ کر اور ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہمیں عافیت دے۔''

**فائدہ** :اہل علم وتجربہ نے کہا ہے کہ جو شخص اللہ کا ذاکر ہوتا ہے یا وقت رعد وصاعقہ کے مشتغل بذکر اللہ ہو جاتا ہے اس پر بجلی نہیں گرتی۔

باب: إذا سمع الرعد

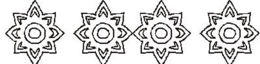
جب بادل کی گرج سنے تو پھر کیا کرے

٧٤٣ . عن ابْنِ عبّاسٍ كانَ إذا سَمِعَ صوتَ الرَّعْدِ قالَ: سُبْحَانَ الذي سَبّحَتْ لهُ ـ قَالَ: إنَّ الرَّعدَ مَلَكٌ ينعقُ بالغيثِ كما ينعقُ الرَّاعِي بغنمِهِ .

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب وہ بادل کے گرجنے کی آواز سنتے تو یہ دعا پڑھتے: پاک ہے وہ جس کی بزرگی تو نے بیان کی۔انہوں نے کہا رعد ایک فرشتہ ہے جو بادل کو چلانے کے لیے زور سے چیختا ہے جیسے چرواہا بکریوں کو چراتے وقت پکارتا ہے۔''

٧٤٤ . عن عبد اللّٰه بن الزُّبير ، أنّه كانَ إذا سمعَ الرَّعدَ تركَ الحديثَ وقالَ: سُبْحَانَ الّذِي ﴿يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ والْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفتِهِ﴾ ثمّ يقولُ: إنّ هٰذا لَوَعِيدٌ شَدِيْدٌ لأهلِ الأرضِ .

''حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب بادل کے گرجنے کی آواز سنتے تو بات کرنا چھوڑ دیتے اور یہ دعا پڑھنا شروع کر دیتے۔پاک ہے وہ ذات جس کی بزرگی کی تعریف بادل کرتے ہیں اور فرشتے بھی اس کے ڈر سے تسبیح پڑھتے ہیں۔پھر فرماتے یہ گرج زمین والوں کے لیے وعید شدید ہے۔''[صحیح]



فکر ونظر

# اعتدال وتوازن
# اسلام کا ایک بنیادی اصول

محمد سعید عابد

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''زاد المعاد فی ہدی خیر العباد'' میں روزے کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شیطان انسان پر دو راستوں سے حملہ آور ہوتا ہے۔ اور وہ ہیں بطن (پیٹ) اور فرج (شرمگاہ)۔ روزہ ان دونوں کمزور مورچوں پر مستعد پہریدار کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے اور اس طرح انسان کی قوی ترین فطری خواہش کی تہذیب کرتا ہے اس لیے کہ ان دونوں خواہشات کی بے لگامی اور منہ زوری انسان کو اس کے شرفِ انسانیت سے نیچے گرا دیتی ہے۔

بلاشبہ خواہش بطن اس کی بقائے ذات اور جنسی خواہش اس کی بقائے نوع کا ذریعہ ہے، اسی لیے اسلام دین فطرت کی حیثیت سے ان کے لیے صحت مند اخلاقی راہیں اور قوانین وضوابط متعین کرتا ہے جن کی پابندی نہ صرف ایمان کی سلامتی کے لیے ضروری ہے بلکہ جسمانی صحت وسلامتی کے لیے بھی ناگزیر ہے۔

پہلے بطن (پیٹ) کی بات کرتے ہیں تاکہ فرج (شرمگاہ) کی گفتگو کرنا اور سمجھنا آسان ہو جائے، جس طرح صبح صادق سے پہلے صبح کاذب کا ظہور ہوتا ہے جس کا جلوہ جلد ہی افق سے غائب ہو جاتا ہے اور تاریکی پھر سے غالب آجاتی ہے اسی طرح آدمی جوع صادق (سچی بھوک) سے پہلے جوع کاذب (جھوٹی بھوک) محسوس کرتا ہے اگر وہ اس پر ذرا دیر کے لیے صبر کرلے تو یہ ازخود زائل ہو جاتی ہے۔ اطباء کہتے ہیں کہ آدمی کو کھانا کھانے کے لیے جوع صادق کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس سے اس کا معدہ درست رہتا ہے اور معدہ کی درستی عمومی صحت کی ضامن ہے۔

اس کے برعکس اگر کوئی شخص جوع کاذب کے احساس پر ہی اپنا پیٹ بھرنے کی فکر میں لگ جائے تو وہ بدہضمی اور فسادِ معدہ کا شکار ہو جاتا ہے اور فسادِ معدہ متعدد امراض کا باعث بن جاتا ہے۔ یہی حال انسان کی جنسی خواہش کا ہوتا ہے جسے ہماری روزمرہ کی زبان میں شہوت کہا جاتا ہے۔ بھوک کی طرح یہ شہوت کاذب بھی ہوتی ہے اور صادق بھی۔ شہوتِ کاذبہ پر اس کی تسکین کی فکر میں لگ جانا آدمی کو بہت سی معدی اور جنسی بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

مختصر یہ کہ خورد ونوش جو ایک فطری انسانی ضرورت بھی ہے اور بقائے حیات اور حصولِ قوت کا ذریعہ بھی۔ اس کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ كلوا واشربوا ولا تسرفوا ...... ﴾

یعنی کھانے اور پینے کی بنیادی ضرورت پوری کرتے ہوئے حد اعتدال سے تجاوز نہ کرو اور فرمایا:

﴿ إنه لا يحب المسرفين ﴾

''بے شک وہ حد اعتدال سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اسلامی نظامِ حیات کا سارا حسن وجمال اس کے اسی اصولِ توازن واعتدال میں ہے۔ مالی اخراجات کے ضمن میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴾ [بنی اسرائیل: ۲۹]

''اور اپنا ہاتھ نہ تو گردن کے ساتھ بندھا ہوا کرلو اور نہ اسے بالکل ہی کھول دو ورنہ نشانۂ ملامت اور عجز ودرماندگی کی تصویر بن کر رہ جاؤ گے۔''

یتیموں کے اولیاء کو ہدایت کی گئی:

﴿ وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا...... ﴾ [النساء: ۵]

''اور اپنے مال جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ''زندگی'' کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے نادانوں کے حوالے نہ کرو۔''

اس آیت میں مال کو قیام حیات کا ذریعہ قرار دیا گیا اور اسے ضائع ہونے کے ڈر سے ان کے اصل مالکوں (نادان یتیموں) کے حوالے کرنے سے انہی کی خیرخواہی میں منع کیا گیا ہے۔

کسی کی فضول خرچی بیان کرنے کے لیے محاورۃً کہا جاتا ہے کہ فلاں تو اپنی دولت پانی کی طرح بہا رہا ہے، اس پانی کے استعمال میں اسراف کے متعلق ہدایت نبوی ملاحظہ ہو:

مَرَّ بِسَعْدٍ وهو يَتَوَضَّأ وقال: "ما هذا السرف؟" قال أفي الوضوء اسراف؟ قال: نعم، وإن كنت على نهر جارٍ۔

[بحواله ابن ماجه و مسند احمد]

''آپ کا گزر سعد بن ابی وقاص کے پاس سے ہوا جب کہ وہ وضو کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: یہ اسراف کیسا؟ سعد کہنے لگے کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اگرچہ تم بہتے ہوئے دریا پر ہی کیوں نہ ہو۔''

یہاں یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ پانی کے اسراف پر یہ انتباہ وضو کے لیے پانی استعمال کرنے پر ہو رہا ہے جو بجائے خود عبادت بھی ہے اور عبادت کی تیاری بھی۔ اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ آدمی کے ''جوہر حیات'' کے اسراف کی اجازت اسلام کیوں کر دے سکتا ہے۔ جملہ معترضہ کے طور پر ضمناً عرض ہے کہ اس مختصر سے جملے میں نبی اکرم ﷺ نے معیشت کا ایک عظیم الشان اصول بھی بیان فرما دیا ہے کہ دولت اگرچہ دریا کی سی روانی سے آ رہی ہو اس کے صرف کرنے میں اسراف جائز نہیں۔

مدارِ استدلال یہ ہے کہ پانی جو ایک عنصر حیات ہے ﴿ وجعلنا من الماء کل شيء حی ﴾ [الانبیاء] ''اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔'' اور دولت جو قیامِ حیات کا ذریعہ ہے ﴿...... اموالکم التی جعل اللّٰہ لکم قیاما ﴾ [النساء] ''وہ اموال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے (زندگی کے) قیام کا ذریعہ بنایا ہے'' کا اسراف ناجائز اور قابل مواخذہ ہے تو مادہ جو عین جوہر حیات ہے کا اسراف جائز ہو سکتا ہے؟ اس پر شرع کی خاموشی کی اپنی حکمتیں ہیں۔ ☆

لہٰذا اس پر کلام کرنا بھی خلافِ حکمت ہے کجا کہ ناجائز راستے، مصنوعی طریقے اور خود لذتی کے ذریعے اس کے اسراف کی تبلیغ کی جائے۔ اور شرع کی خاموشی کو اس کے جواز کی دلیل ٹھہرا کر نوجوانوں کے جذبات کو کھلے عام غلط رخ دے کر انہیں اس کام پر دلیر اور بے حجاب کر دیا جائے۔ شرع کا منشا جاننے کے لیے قرآن کے یہ الفاظ کیا کافی نہیں کہ ﴿ إنه لا یحب المسرفین ﴾ اور سورۂ اعراف میں قومِ لوط کو مخاطب کر کے یہ الفاظ کہے گئے ﴿ بل أنتم قوم مسرفون ﴾

بنیادی فطری ضرورت ''کھانے'' کے سلسلے میں یہ حدیث بھی ہم سے غور و تامل کا مطالبہ کر رہی ہے۔

''مقدام بن معدی کرب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم پیٹ سے بدتر کوئی برتن نہیں جو وہ بھرتا ہو۔ ابن آدم کو چند لقمے کمر سیدھی رکھنے کے لیے کافی ہیں۔''

[احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجه]

امام شافعی کہتے ہیں: میں نے سولہ سال سے سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ کیوں کہ پیٹ بھر کر کھانا بدن کو بوجھل کرتا ہے۔ ذہانت کو زائل کرتا ہے اور نیند کا باعث ہوتا ہے۔

دراصل جملہ انسانی احتیاجات جو اس کی خواہشات اور کمزوریاں بھی ہیں مثلاً کھانا، پینا، سونا اور تسکین شہوت اپنی جائز حدود میں بھی اگر

☆......شرع اس پر اتنی خاموش بھی نہیں جتنی بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ سورۃ المومنون کی آیت نمبر ۷ کا ترجمہ ملاحظہ کر لیجیے۔
''پس جو کوئی اس (بیوی اور لونڈی) کے علاوہ (قضائے شہوت کا) کوئی اور راستہ تلاش کرے تو ایسے لوگ حد سے گزرنے والے ہیں۔'' [المومنون: ۷]

اعتدال وتوازن کی حد سے آگے بڑھ جائیں تو وہ ہر پہلو سے زوال کا باعث بن جاتی ہیں۔زندگی میں صحت اور بہتر کامیابی کے لیے جس طرح کم کھانا اور کم سونا ضروری ہے اسی طرح شہوانیت میں اعتدال اس کی شخصی وجاہت اور سماجی عظمت ووقار کے لیے ضروری ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اُمت پر نرمی کرتے ہوئے رمضان کی راتوں میں مباشرت کی اجازت مرحمت فرمائی تو جو اسلوب اختیار فرمایا اس میں لطافت بھی ہے اور نظافت بھی۔سید قطب شہید ؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’رفث‘‘ مباشرت سے قبل کی شہوانی باتوں کو کہتے ہیں اور خود مباشرت کو بھی۔لیکن قرآن اس مفہوم کو نرم اور حسین الفاظ میں بیان کرتا ہے۔زن وشوہر کے تعلقات کو نورانیت، نرمی اور طراوت عطا کرتا ہے۔حیوانیت کی تندی اور درشتی سے پرہیز کرتا اور اس تعلق کو قائم کرنے میں پردہ پوشی کے مفہوم کو اجاگر کرتا ہے۔

......اسلام اور اس کا یہ نقطہ نظر گوشت اور خون کے تقاضوں کو پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے لیکن اسی کے ساتھ اسے بیان کرتے ہوئے یہ خوشگوار اور لطیف ہوائیں چلاتا اور اس پر یہ لطیف پردہ ڈالتا ہے:

﴿ هن لباس لكم وأنتم لباس لهن ﴾

مباشرت کی اجازت ان الفاظ میں فرمائی:

﴿ فالآن باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم ﴾

چوں کہ اس عمل میں زیادہ تر شہوانی جذبہ ہی غالب ہوتا ہے بلکہ اس کے علاوہ شاید ہی کوئی دوسرا خیال دل میں گزرتا ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے ﴿وابتغوا ما كتب الله لكم﴾ فرما کر اہل ایمان کو توجہ دلائی کہ لذت اندرونی انہیں اللہ کے اجر سے غافل نہ رکھے۔نیک اور صالح اولاد کی تمنا ان کے قلب ودماغ میں مستحضر رہے اور وہ محض قضائے شہوت کے اسیر نہ رہیں۔

دعائے مباشرت(بسم الله اللهم جنبنا الشيطن وجنب الشيطن ما رزقتنا )میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے۔زوجین کے ایک دوسرے کے لیے لباس ہونے کا مفہوم اور تقاضا جاننے کے لیے صحیح مسلم کی یہ دو احادیث دیکھئے۔ان دونوں حدیثوں کے راوی حضرت ابوسعید خدری ؓ ہیں:

①......آپ ؐ نے فرمایا: سب سے زیادہ برا لوگوں میں اللہ کے نزدیک قیامت کے روز وہ شخص ہے جو اپنی عورت کے پاس جائے اور عورت اس کے پاس آئے اور پھر اس کا بھید ظاہر کردے۔

②......آپ ؐ نے فرمایا: بڑی امانت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن یہ ہے کہ مرد اپنی عورت سے صحبت کرے اور عورت مرد سے، اور پھر وہ اس کا بھید کھول دے۔‘‘(یعنی امانت میں خیانت کرے)

شارحین حدیث کے مطابق صحبت کی تفاصیل کا افشا امانت میں خیانت بھی ہے اور ایسا کرنا خلافِ مروّت اور خلافِ حیا بھی ہے۔

گویا خلوتِ زوجین کے احوال بیان کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ فعل ہے اور بہت بڑی خیانت۔تو ذرا سوچیں کہ رہنمائی کے نام پر جزئیات کی تفصیل بالترتیب لکھ دینا اور شائع کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔جب خاوند یا بیوی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کہے’’یوں ہوا یا یوں کیا‘‘ تو کسی تیسرے فرد کے لیے یہ کیسے جائز ہے کہ وہ کہے’’یوں کرو......‘‘

قرآن جہاں مختلف علوم ومعارف کا منبع اور مخزن ہے وہاں اصول واسالیب تعلیم اور پیرائیہ بیان وابلاغ کے لیے رہنما بھی ہے۔مثلاً وہ امور وافعال جن کا صراحتاً نام لینا انسانی طبائع کے لیے ناگوار یا ناپسندیدہ ہے، یا ذوقِ سلیم پر گراں گزرتا ہے، یا شرم وحیا مانع ہوتی ہے، ان کے لیے مجاز وکنایہ کا اسلوب اختیار کرتا ہے جیسا کہ رفع حاجت کے لیے ﴿جاء احدكم من الغائط﴾ اور مباشرت کے لیے ﴿لامستم النساء﴾ کے کنائے استعمال کیے گئے ہیں۔

گویا یہ تعلیم بھی ہے اس امر کی کہ اس قسم کے معاملات میں اسلوبِ بیان کیسا ہونا چاہیے۔یہیں سے علماء نے یہ اصول اخذ کیا:

الكناية أبْلَغُ مِنَ الصراحة ، والإجمال أفْصَحُ من التفصيل فى بعض الأحيان ۔

(باقی صفحہ نمبر ۸ پر دیکھئے)

تذکرہ علمائے اہل حدیث

# ڈاکٹر اکرم حسین علی سندھی

(١٣٦٦ھ ...... ١٤٢٩ھ)

مولانا ابوسفیان محمد خان محمدی، ملکانی شریف، بدین (سندھ)

سرزمین سندھ کو اس لحاظ سے شرف حاصل ہے کہ جس زمانے میں سرزمین عرب میں توحید کا سورج طلوع ہوا، اسی صدی میں سندھ کی سرزمین اسلام کے نور سے منور ہوئی۔ خلفائے راشدین کے دور میں متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلام کی تبلیغ کے لیے سندھ میں تشریف فرما ہوئے، جنھوں نے باشندگان سندھ کو اسلام کا حقیقی اور ابدی پیغام پہنچایا۔ تاریخ کی کتابوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خلافت راشدہ اور بنوامیہ کے دور سے پہلے بھی سرزمین سندھ میں عرب تاجروں اور سیاحوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ یعنی اسلام سے قبل ہی عربوں سے اہل سندھ کا رابطہ تھا۔

سندھ کی سرزمین علماء، مشائخ اور اولیائے کرام کی سرزمین رہی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں یہ شرف بھی سندھ کو حاصل ہے کہ یہاں دین کے مبلغین اور داعی پہلی صدی ہجری سے عربستان، عراق، ایران، افغانستان اور دوسرے مختلف اسلامی علاقوں سے یہاں آتے اور یہاں کے باشندوں کو دین اسلام کا ابدی پیغام اور شریعت مطہرہ کے احکام سناتے رہے۔ سندھ میں عربوں کی آمد اور اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد یہاں کے ہر شہر اور گاؤں میں قرآن و حدیث کی درس و تدریس کا رواج ہوا۔ ان مدارس میں پڑھانے والے اساتذہ میں نہ صرف سندھ کے معلم تھے بلکہ عراق و شام اور مصر وغیرہ کے علوم و فنون کے ماہر اساتذہ اور سکالر ہوتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں دیبل، منصورہ، اروڑ، ملتان، بکھر، ٹھٹھہ، سیوہن اور نیرون کوٹ (حیدرآباد) وغیرہ شہر اسلامی تہذیب و تمدن کے مرکز قرار پا گئے۔

سندھ میں بے شمار علماء و فضلاء پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے علم و فضل اور درس و تدریس کے ذریعے سے عرب و عجم کو فیض بخشا جیسا کہ ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۰ھ)، ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی سندھی رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۲ھ)، ابومحمد خلف بن سالم سندھی رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۱ھ)، ابونصر فتح بن عبداللہ سندھی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۵ھ)، شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ سندھی رحمہ اللہ (متوفی ۹۹۳ھ)، ابوالحسن کبیر سندھی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۳۸ھ)، شیخ محمد حیات سندھی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۳ھ)، شیخ محمد عابد سندھی انصاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۷ھ)، شیخ طیب سندھی ٹھٹوی رحمہ اللہ (متوفی ۹۹۱ھ)، شیخ طاہر بن یوسف سندھی برہانپوری (متوفی ۱۰۰۴ھ) وغیرہم۔ ان حضرات سے عربوں نے قرآن و حدیث اور فقہ و ادب کی تعلیم حاصل کی اور ان سے خوب مستفید ہوئے۔

یہ ماضی بعید کے علماء و مشائخ ہیں۔ ماضی قریب میں بھی سندھ میں بہت سے اصحابِ علم پیدا ہوئے ان میں ایک بزرگ پروفیسر ڈاکٹر اکرم حسین علی سندھی ہیں۔

**پیدائش اور خاندانی پس منظر:**

مولانا ڈاکٹر اکرم حسین علی بن وڈن بن حاجی بن ودھو بن پنھوں السندھی المدنی ابوخالد ۱۹۴۴ء بمطابق ۱۳۶۳ھ، میں ایک قول کے مطابق ۱۹۴۷ء بمطابق ۱۳۶۶ھ میں گوٹھ کھرڑاھ (نزد محراب پور) تحصیل ٹھری میرواہ ضلع خیر پور میرس میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق سندھ کی پھل برادری سے تھا۔ یہ قبیلہ سندھ کی مشہور سماٹ اقوام میں سے ایک برادری ہے جو کہ خالص سندھی اور سندھی زبان بولنے والی ہے۔ یہ لوگ سندھ کے مختلف شہروں اور ضلعوں میں آباد ہیں۔ مثلاً خیر پور، لاڑکانہ، نوشہرو فیروز وغیرہ۔ اس برادری کے موجودہ سربراہ حاجی راج محمد صاحب

گوٹھ پھل شہر (نوشہرہ فیروز) میں رہائش پذیر ہیں۔

ان کے علاوہ اسی برادری کے افراد ضلع بدین اور ٹھٹھ میں بھی موجود ہیں۔ مولانا حافظ اکرم حسین علی کے جد امجد دراصل لاڑکانہ کے نزدیک فتح پور میں رہائش پذیر تھے۔ وہاں آج بھی ایک کنواں موجود ہے جو کہ ''ودھو پھل کا کنواں'' کے نام سے مشہور ہے۔ ودھو نام اس برادری اور قوم میں عام رکھا جاتا ہے اور یہ نام اس (ودھو) کی یاد میں رکھا جاتا ہے جو کہ اس علاقے کا نیک شخص تھا اور ان کے بڑوں میں سے تھا۔ یہ لوگ فتح پور سے ہجرت کر کے خیر پور میرس کے نزدیک گوٹھ نگر یجا میں سکونت پذیر ہوئے۔ اس کے بعد اس گوٹھ کو چھوڑ کر پرانے کھر ڑاہ میں آ گئے اور پھر وہاں سے کھر ڑاہ پھل میں مستقل سکونت اختیار کی اور تا حال وہیں آباد ہیں۔

**تعلیم:**

مولانا پروفیسر ڈاکٹر اکرم حسین علی پھل صاحب نے جس ماحول اور برادری میں آنکھ کھولی اس وقت سندھ میں ہر طرف جہالت تھی۔ دنیاوی اور دینی تعلیم کے مدارس بہت تھوڑی تعداد میں تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں کے ایک چھوٹے سے دینی مدرسہ شمس العلوم (قائم شدہ ۱۳۶۳ھ) سے کیا، جس میں ناظرہ قرآنِ مجید کے علاوہ اس دور کے مطابق عام رواجی سندھی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ اس مدرسے میں ان کے استاد حافظ محمد ہارون اور ماسٹر محمد اسماعیل تھے۔

۱۹۵۲ء میں ڈاکٹر صاحب کے والد ماجد حسین علی صاحب سعودی عرب کے سفر پر گئے تو وہ بھی اپنے والد کے ساتھ سعودی عرب گئے۔ اپنے والد کے ساتھ وہ مدینہ منورہ میں دو سال رہے۔ مدینہ شریف میں قیام کے دوران مولانا اکرم صاحب نے اپنی تعلیم جاری رکھی اور وہاں کے مختلف مدارس میں پڑھتے رہے۔ مدرسہ علوم الشریعہ مدینۃ المنورۃ، مدرسہ ابی بن کعب لتحفیظ القرآن اور مدرسہ الشؤنۃ لتحفیظ القرآن مدینۃ المنورۃ میں انہوں نے قرآنِ مجید حفظ کرنے کے ساتھ ہی عربی تعلیم کی ابتدائی جماعتوں کی کتب پڑھیں۔ وہاں ان کے چند استاد یہ تھے:

قاری عبدالواحد سندھی، قاری محمد علی السندھی، قاری عباس البخاری اور قاری قادر جان البخاری۔ ۱۹۵۴ء میں سعودی عرب سے واپس اپنے گوٹھ کھر ڑاہ آ گئے۔ یہاں اسی مدرسے میں پڑھنے لگے جس میں پہلے پڑھتے تھے۔ دوسرے سال خیر پور میں مدرسہ تعلیم القرآن چلے گئے۔ یہ مدرسہ فتح علی خان خیسانی نے ۱۳۶۷ھ میں قائم کیا تھا۔ اس مدرسے میں مولانا حافظ اکرم صاحب نے پورا قرآنِ مجید حفظ کیا اور حافظ محمد صاحب اور حافظ الھہ ڈنو منگریو صاحب سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد دوبارہ اپنے گاؤں کے مدرسہ میں پڑھنے لگے، جہاں فارسی کی ابتدائی کتابوں کے ساتھ ساتھ سندھی تعلیم بھی حاصل کی۔ اس وقت ان کے اساتذہ تھے مولانا در محمد ہنگورجہ والے، مولانا عبدالرشید (موجودہ مہتمم مدرسہ ہذا)، حافظ عبدالخالق اور ماسٹر محمد ابراہیم پیرزادہ صاحب۔

۱۹۶۰ء بمطابق ۱۳۸۰ھ کے اواخر میں دوبارہ حرمین شریفین کی طرف اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کی، اور مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ وہاں آپ نے ثانوی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک مدینہ منورہ کے مختلف مدارس میں حاصل کی۔ سب سے پہلے مدرسہ دار العلوم السّلفیہ میں داخلہ لیا جس میں سال ۶۴،۱۹۶۳ء بمطابق ۸۴،۱۳۸۳ھ میں عربی کی پہلی جماعت یعنی وہاں کا پرائمری نصاب مکمل کیا۔ اس مدرسے میں آپ کے اساتذہ میں فضیلۃ الشیخ عبدالسلام کیلانی، فضیلۃ الشیخ محمد علی لکھوی (والد مولانا معین الدین لکھوی متوفی ۱۹۷۳ء)، فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالقادر حبیب اللہ السندھی (متوفی مارچ ۱۹۹۹ء) اور فضیلۃ الشیخ عطاء اللہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اس مدرسے میں انہوں نے دو سال پڑھا۔ اس کے بعد آپ مدینہ منورہ کے مشہور مدرسہ دار الحدیث التابعۃ بالجامعۃ الاسلامیہ میں داخل ہوئے، جہاں آپ تین سال پڑھتے رہے۔ اس مدرسہ سے ۱۹۶۶ء بمطابق ۱۳۸۷ھ میں المتوسطہ کلاس (مڈل) کی ڈگری حاصل کی۔ اس مدرسے میں آپ نے ان اساتذہ کرام سے پڑھا:

فضیلۃ الشیخ عمر محمد الفلاتۃ (مدیر مدرسہ دار الحدیث وخطیب مسجد النبوی مدینۃ المنورۃ)، فضیلۃ الشیخ عمار المغربی، فضیلۃ الشیخ عبدالکریم زہرانی، الشیخ محمد شریف اشرف فیصل آبادی (متوفی ۱۹۷۷ء)، الشیخ محمد یوسف،

الشیخ محمد صدیق الافغانی اور الشیخ رمضان علی ابوالعز (موصوف کی نگرانی میں مدرسہ دارالحدیث کے مڈل کے امتحان کے لیے ''دخول الاسلام فی السند'' کے نام سے آپ نے ایک تحقیقی اور علمی مقالہ لکھا) وغیرہ۔ مڈل کا امتحان دینے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے عالم اسلام کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی الجامعۃ الاسلامیۃ مدینۃ المنورۃ (قائم شدہ ۱۹۶۱ء بمطابق ۱۳۸۱ھ) میں داخلہ لیا۔ ۹۲،۱۳۹۱ھ بمطابق ۷۲،۱۹۷۱ء میں اعلیٰ ثانوی (میٹرک) کی ڈگری حاصل کی، جس کے بعد اسی جامعہ میں کلیۃ الدعوۃ واصول الدین کے شعبے میں داخل ہوئے۔

۱۴۰۰ھ بمطابق ۱۹۸۰ء میں جامعہ اسلامیہ سے ایم اے کی ڈگری نمایاں پوزیشن میں حاصل کی۔ پروفیسر ڈاکٹر اکرم حسین علی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے ایف اے اور ایم اے کرنے کے بعد آپ کو آگے بڑھنے کا شوق ہوا۔ چناں چہ آپ نے جامعہ اسلامیہ سے ایم فل اور پی ایچ ڈی کرنے کے لیے داخلہ لیا اور ۱۴۰۶ھ بمطابق ۱۹۸۶ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ جامعہ اسلامیہ میں پروفیسر ڈاکٹر اکرم حسین صاحب نے ۱۹۶۱ء سے ۱۹۸۶ء تک جامعہ کے مختلف شعبوں میں مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ جامعہ میں دورانِ تعلیم آپ کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہاں ان میں سے چند اساتذہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

الشیخ محمد امین الشنقیطی، الشیخ عطیہ محمد سالم، الشیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد، الشیخ ابوبکر جابر الجزائری (مشہور مفسر قرآن اور مصنف ایسر التفاسیر، منہاج المسلم، عقیدۃ المومن وغیرہ)، سماحۃ الشیخ مفتی العام عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ (پیدائش ۱۹۱۲ وفات ۱۹۹۹ء)، الدکتور اکرم ضیاء العمری (موصوف کی نگرانی میں پروفیسر اکرم پھل صاحب نے ایم فل کا مقالہ ''مرویات تاریخ الیہود المدینۃ المنورۃ'' لکھا)، الشیخ عبداللہ بن محمد، الشیخ صالح بن عبداللہ المحسن، الشیخ عبدالمحسن بن حمد العباد، الدکتور امان اللہ بن علی الجامی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۱۶ھ)، الدکتور محمد امین المصری، الدکتور محمود الطحان (مصنف ''علم مصطلح الحدیث'')، فضیلۃ الشیخ امام ومحدث محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ (پیدائش اشقودرہ سنہ۱۹۱۴ء وفات ۲/اکتوبر ۱۹۹۹ء)، الدکتور ربیع بن الہادی المدخلی (سعودی عرب کے ممتاز سلفی عالم دین)، الشیخ حماد بن محمد الانصاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۱۸ھ)، الشیخ ابوزہرہ المصری، الدکتور علی بن محمد ناصر الفقیہی، الشیخ عبدالصمد الملیباری وغیرہم من ذالک۔

ان اساتذہ کرام کے علاوہ بھی آپ وقتاً فوقتاً دوسرے علماء اور اساتذہ سے بھی استفادہ کرتے رہے۔ اور ان سے اجازت بالروایۃ حاصل کی جن میں سے فضیلۃ الشیخ السید بدیع الدین شاہ راشدی المکی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۹۶ء) قابل ذکر ہیں۔ جن دنوں (۱۹۹۳ء) راقم الحروف جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں زیرِ تعلیم تھا۔ ڈاکٹر اکرم صاحب نے مجھے شاہ صاحب سے سند واجازت بالروایۃ کے لیے بھیجا تھا۔ پروفیسر اکرم صاحب نے شاہ صاحب سے ان کے سعودی عرب میں قیام (کے دوان ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۸ء) بہت استفادہ کیا۔ شاہ صاحب (راقم کے بھی استاد و مربی ہیں) انہوں نے اپنی سند بنام **منجد المستجیز لروایۃ السنۃ والکتاب العزیز** جو کہ کتابی شکل میں شائع شدہ ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر اکرم صاحب کے لیے دی۔

## تدریسی زندگی:

پروفیسر ڈاکٹر اکرم حسین علی پھل نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز اپنی تعلیم کے دوران کر دیا تھا۔ سب سے پہلے جب آپ دارالحدیث مدینہ منورہ میں پڑھتے تھے تو اسی مدرسے کے شعبہ تحفیظ القرآن میں پڑھاتے بھی تھے۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی میں دورانِ تعلیم وہاں کی مقامی مسجد الجامع عبدالعزیز الرشید کی امامت کے ساتھ ساتھ اسی مسجد میں قائم حفظ کی کلاس جو کہ مقامی سطح پر جاری تھی اور عربی کی ابتدائی پرائمری کلاسوں کی کتب بھی پڑھاتے تھے۔ اس مسجد میں ڈاکٹر اکرم حسین صاحب ۱۴سال تک امامت کراتے رہے۔ اس کے بعد مسجد الامیرہ منیرہ میں تین سال امامت کرائی اور شعبہ حفظ کی کلاس بھی لیتے رہے۔ اسی طرح مسجد نبوی میں بھی کچھ وقت بعد نماز عصر حفظ وناظرہ میں مختلف عربی اور غیر عربی طلبہ کو پڑھایا۔ ان طالب علموں میں خاص طور پر ڈاکٹر صہیب

حسن (صدر مسجد و مدرسہ التوحید ٹرسٹ لندن)، ڈاکٹر سہیل حسن (فاضل مدینہ یونیورسٹی) اور ان کے بھائی اور دیگر حضرات شامل ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر اکرم صاحب کو مدینہ منورہ میں قیام و تعلیم کے دوران ہر سال حج کے دنوں میں جامعہ اسلامیہ کی طرف سے مکہ مکرمہ بھیجا جاتا تھا جہاں پر آپ حجاج کرام کو حج کی تربیت اور احکام و مسائل کی تعلیم دیتے تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر صاحب اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بھی چار سال تک مدینہ منورہ میں رہے۔ اس دوران بھی آپ مختلف مساجد کی امامت اور مقامی سطح پر قائم مدارس میں پڑھاتے رہے اور ساتھ ساتھ وعظ و تذکیر بھی کرتے رہے۔ اس کے بعد ۱۹۸۸ء کے اواخر میں سعودی عرب سے اپنے خاندان کے ساتھ اپنے آبائی گاؤں کھر ڑا ضلع خیر پور میرس سندھ آ گئے۔ گاؤں میں ابھی مشکل ہی سے تین ماہ ہی رہے تھے کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی کی طرف سے مبعوث (استاد) کی حیثیت سے آپ کا تقرر جماعت اہل حدیث کی مشہور و معروف دینی درس گاہ جامعہ سلفیہ (قائم شدہ ۱۹۵۵ء) فیصل آباد میں ہوا۔ جامعہ سلفیہ میں آپ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ کو معلم مقرر ہوئے۔ اس جامعہ میں تاحیات پڑھاتے رہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جامعہ سلفیہ میں محنت، لگن اور اخلاص سے پڑھایا۔ طالب علموں کی خیر خواہی اور ان کی قرآنِ مجید کی تصحیح اور مخارج پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔ جامعہ کی مختلف کلاسوں خاص طور پر عالیہ (آخری) کلاسوں کے اسباق پڑھاتے تھے۔ جامعہ میں تدریس کے ساتھ جامعہ کی مسجد کی امامت بھی آپ کے حوالے تھی، خاص طور پر جہری نمازوں مغرب عشاء اور فجر کی امامت خود کراتے تھے۔ راقم کو جامعہ میں پڑھنے کے دوران آپ کی امامت واقتدا میں اکثر نمازیں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر اکرم حسین صاحب نماز میں رکوع کے بعد دوسرے قیام میں دوبارہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونے کے نہ صرف قائل تھے بلکہ اس کے عامل بھی تھے۔

**اپنے آبائی گاؤں میں خدمات:**

پروفیسر ڈاکٹر اکرم حسین صاحب بچپن سے ہی تعلیم و تدریس کے سبب سے اپنے علاقے اور گاؤں سے باہر رہے ہیں، اس کے باوجود بھی گاؤں والوں کی اصلاح، تعلیم و تربیت کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے رہتے تھے۔ ایک گاؤں ''حبیب کی واندھ'' آپ کے گاؤں کے قریب ہی ان کے رشتے داروں اور عزیزوں کا ایک بہت بڑا گاؤں ہے، اس میں آپ نے اپنے ذاتی شوق سے اپنی نگرانی میں ایک دینی مدرسہ ''اتباع القرآن والحدیث'' تعمیر کرایا۔ اس مدرسے کے لیے وہ مالی تعاون بھی کرتے رہتے تھے۔ اس مدرسے میں ایک لائبریری بھی قائم کی تھی جس کے لیے کافی تعداد میں ذاتی کتابوں کے علاوہ بے شمار کتابیں خرید کر دیں۔ یہ مدرسہ اور لائبریری الحمدللہ جاری ہے جو کہ ڈاکٹر صاحب کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

اسی طرح پروفیسر صاحب اپنے آبائی گاؤں کھر ڑا تحصیل ٹھری میرواہ ضلع خیر پور میرس میں ایک مسجد دارالسلام اہل الحدیث تعمیر کرائی۔ اس مسجد کی تعمیر آپ نے اپنے ذاتی خرچ سے اور ذاتی تعلقات سے کرائی۔ اس کو آباد رکھنے اور اس کی نگرانی کی ہر ممکن کوشش کرتے رہتے تھے۔ اس میں گاؤں کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک چھوٹا سا مدرسہ ناظرہ قرآنِ مجید اور حفظ کے لیے جاری کرایا، جس کے معلم کی تنخواہ آپ خود اپنی طرف سے دیتے تھے۔ اس مسجد میں بھی عام لوگوں کے عقیدے کی اصلاح و تربیت کے لیے ایک چھوٹی سی لائبریری قائم کی تھی جو کہ الحمدللہ گاؤں والوں کی اصلاح و تربیت کے لیے اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

**سادہ مگر باوقار زندگی:**

پروفیسر ڈاکٹر اکرم حسین صاحب اس حدیث کا صحیح مصداق تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ ہمارا اٹھنا بیٹھنا کن لوگوں سے ہونا چاہیے؟'' آپ نے فرمایا کہ "من ذكركم بالله رؤيتهٗ وزاد في علمكم منطقهٗ وذكركم بالآخرة عملهٗ" (مسند عبد بن حميد، ج: ۱، ص: ۲۳۱)

یعنی ''ایسے آدمی کے ساتھ جس کو دیکھ کر تمہیں اللہ یاد آ جائے،

جس کا بولنا تمہارے علم میں اضافہ کرے اور جس کے عمل وکردار کو دیکھ کرتمہیں آخرت کی یاد آ جائے۔''

ڈاکٹر صاحب کو جب بھی دیکھا، اللہ یاد آ گیا اور آپ کی مجلس وصحبت میں بیٹھنے سے علم میں اضافہ ہوا۔ پروفیسر اکرم صاحب کی شخصیت درویشانہ اور سلف کا صحیح نمونہ تھی۔ آپ نے سادہ مگر باوقار زندگی گزاری۔ انکساری، دردمندی، ایثار، مروت اور شرافت کا پیکر تھے۔ آپ کا بولنا، اٹھنا، بیٹھنا اور وسیع مطالعہ ہر ایک صاحب علم دوست اور طالب علم کو متاثر کرتا تھا۔ حقیقت میں ڈاکٹر صاحب اسلاف کی پاکباز زندگی کا خوب صورت اور دلآویز عکس تھے۔ تقویٰ، تدین، زہد وورع، فقر واستغنیٰ کی حقیقی تصویر تھے۔

ڈاکٹر صاحب کبھی بھی دورانِ کلاس یا عام گفتگو میں سطحیت، جذباتیت، جلد بازی اور غیر ذمہ دارانہ وغیر سنجیدہ اور نفرت پھیلانے والے الفاظ قطعی استعمال نہ کرتے تھے۔ نہایت سنجیدہ، محقق اور ماہر علوم دینیہ تھے۔ ان سطور کا راقم ان سے بے حد متاثر ہے اور میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔

**تصنیفات:**

پروفیسر ڈاکٹر اکرم پھل صاحب نے تعلیم وتدریس کی مصروفیات کے باوجود چند علمی وتحقیقی کتابیں بھی لکھیں ہیں جو کہ بہت اہم اور معلومات کا خزینہ ہیں۔

①......**دخول الاسلام فی السند**: یہ کتاب ان کی پہلی تصنیف ہے جو آپ نے مدرسہ دارالحدیث مدینہ منورہ کے المتوسطۃ (مڈل) کلاس میں پڑھنے کے دوران الشیخ رمضان علی ابوالعز کی نگرانی میں لکھی۔ جس میں سندھ کی تاریخ، جغرافیہ، اس کی فتح اور سندھ میں اسلام کی آمد کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے تحقیقی وتاریخی اہمیت کی حامل ہے، عربی میں ہے۔ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اور ۱۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

②......**مرویات تاریخ یهود المدینة فی عهد النبوة**: یہ ڈاکٹر اکرم پھل کا ایم اے کا مقالہ ہے جو انہوں نے مدینہ یونیورسٹی کے لیے دکتور اکرم ضیاء العمری کی نگرانی میں لکھا۔ نبوی دور میں مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس خیبر میں رہنے والے یہودیوں کے متعلق کتب احادیث میں جو بھی احادیث اور مرویات بیان ہوئی ہیں، اس مقالے میں ان کی تحقیق، تخریج اور تاریخی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ علمی اور تاریخی اعتبار سے یہ نہایت اہم مقالہ ہے۔

اس مقالے کے نگران ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری اپنی کتاب ''سیرت رحمت عالم'' میں لکھتے ہیں کہ ''یہ مقالہ (**مرویات تاریخ یهود المدینة**) اپنے موضوع کے متعلق روایات اور اس میں صحیح احادیث کے انتخاب کی وجہ سے بہترین مقالہ ہے۔ میں نے اپنی اس کتاب (رحمت عالم) میں اس سے بہت استفادہ کیا ہے۔ یہ مقالہ شیخ اکرم حسین علی سندھی نے جامعہ اسلامیہ سے اعلیٰ تعلیم کی ڈگری کے لیے میری نگرانی میں لکھا ہے۔ یہ مقالہ کتابی صورت میں شائع ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر اکرم صاحب کے فرزند گرامی مولانا حافظ خالد اکرم صاحب اس مقالہ کو شائع کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

③......**الفوائد من المستخرج علی الصحیح مسلم بن الحجاج**: مصنف شیخ الاسلام الحافظ ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم السراج الثقفی (۲۱۶ھ، ۳۱۳ھ)۔ ڈاکٹر اکرم حسین علی سندھی نے اس کتاب پر جامعہ اسلامیہ مدینہ سے ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) کی ہے۔ یہ کتاب ابھی تک قلمی نسخے کی صورت میں ہے جس کا پوری دنیا میں ایک ہی نسخہ ہے جو کہ المکتبۃ الظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس کی تحقیق، تخریج اور اس پر حکم وفوائد کا کام کیا ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر اکرم صاحب کافی حد تک مکمل کر چکے تھے اور تھوڑا سا حصہ باقی تھا، جسے آپ نے اپنی نگرانی میں اپنے ایک شاگرد رشید مولانا حفیظ الرحمٰن سے مکمل کرایا۔ یہ کتاب ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ آپ کے ورثاء اس علمی وتحقیقی کام کے چھپوانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ارادے میں ان کو کامیاب کرے اور ان کی خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے، آمین۔

اس کے علاوہ پروفیسر اکرم حسین پھل صاحب نے بہت سارے علمی وتحقیقی مقالات ومضامین بھی لکھے ہیں جو کہ مدینہ منورہ میں تعلیم

وقیام کے دوران وہاں کے مقامی مجلّات ورسائل میں شائع ہوئے۔جن سے بہت سے مشائخ،علماءوعوام نے استفادہ کیا۔

**اولاد:**

پروفیسرڈاکٹر حافظ اکرم حسین پھل صاحب جس زمانے میں مدرسہ دارالحدیث مدینہ منورہ میں پڑھتے تھے۔ اس زمانے (۱۳۸۶ھ، ۱۹۶۴ء) میں ازدواجی زندگی سے منسلک ہو چکے تھے۔شادی کے بعد بھی اپنی تعلیم کو جاری رکھا۔ان کی اولاد اب چار بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں کے نام اوران کا مختصر تعارف اس طرح ہے:

① ......مولانا حافظ خالد اکرم پھل: یہ ڈاکٹر حافظ اکرم حسین کے بڑے فرزند گرامی ہیں۔موصوف ۱۹۷۴ء مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے جن کی ابتدائی تعلیم پرائمری سے لے کر مڈل تک مدینہ منورہ میں ہوئی۔جب ڈاکٹر اکرم صاحب کا جامعہ اسلامیہ کی طرف سے جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں استاد کے طور پر تقرر ہوا تو حافظ خالد اکرم بھی اپنے والد ماجد کے ساتھ فیصل آباد آئے۔اپنی بقیہ تعلیم دنیاوی ودینی جامعہ سلفیہ سے مکمل کی۔

حافظ خالد اکرم بھی اپنے والد کی طرح حافظ قرآن، عالم دین اور فاضل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک کامیاب مدرس بھی ہیں۔ اس وقت مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث (قیام شدہ ۷۵۔۱۹۷۴ء) گھمن آباد حیدر آباد میں مدرس ہیں، تدریس کے ساتھ دارالافتاء کا شعبہ بھی سنبھالے ہوئے ہیں۔اس سے قبل موصوف جامعہ بحر العلوم السّلفیہ (قیام ۱۹۸۳ء) میر پور خاص میں بھی پڑھا چکے ہیں۔اس کے علاوہ گورنمنٹ واپڈا ہائی اسکول پاور ہاؤس جامشورو حیدرآباد میں سرکاری ملازم (عربی ٹیچر) ہیں۔ انتہائی لائق اور صالح انسان ہیں۔ اپنے والد کی طرح سادہ مگر باوقار شخصیت کے مالک اور ان کے حقیقی جانشین ہیں۔اللہ تعالیٰ حافظ خالد اکرم پھل کے علم وعمل میں اضافہ اور برکت فرمائے۔

② ......حافظ سالم اکرم پھل:ان کی پیدائش ۱۹۸۲ء مدینہ منورہ میں ہوئی۔سالم نے جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے تعلیم حاصل کی۔آپ بھی اپنے والد اور بڑے بھائی کی طرح حافظ قرآن، عالم دین اور فاضل علوم اسلامیہ ہیں۔اور ساتھ ہی دنیاوی تعلیم سے بھی بہرہ ور ہیں۔اس وقت مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث حیدرآباد سندھ میں استاد ہیں۔

③ ......حافظ حامد اکرم: ۱۹۸۴ء مدینہ میں پیدا ہوئے۔جامعہ سلفیہ سے تعلیم مکمل کی۔ ماشاء اللہ اپنے والد اور بھائیوں کی طرح نیک اور باعمل ہیں۔حافظ قرآن عالم اور فاضل ہیں۔

④ ...... یاسر اکرم: ۱۹۹۴ء کو فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔اس وقت مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث حیدرآباد میں زیر تعلیم ہیں۔

الحمدللہ پروفیسر ڈاکٹر حافظ اکرم حسین علی سندھی کی بیٹیاں بھی پڑھی لکھی اور دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ عالمہ وفاضلہ ہیں۔

**وفات:**

پروفیسر ڈاکٹر اکرم حسین علی سندھی اپنی حیات مستعار کے آخری دنوں میں شدید بیماری میں مبتلا ہوئے،جس وجہ سے کافی کمزور ہو گئے تھے۔تپ دق کے مرض اور بینائی کی کمزوری کے باوجود اپنے معمولاتِ زندگی میں کبھی فرق نہ آنے دیا۔اخیر عمر میں گردن توڑ بخار ہو گیا تھا۔اس وقت آپ فیصل آباد جامعہ سلفیہ میں تھے۔ وہاں ڈاکٹر سے علاج معالجہ ہوتا رہا مگر افاقہ نہ ہوا۔ بالآخر آپ کے بڑے فرزند حافظ خالد اکرم، ڈاکٹر صاحب کو علاج کے لیے حیدرآباد (سندھ) لے گئے۔وہاں قائد اعظم میڈیکل کمپلیکس حیدرآباد کے نیورو سینٹر اور اسریٰ یونیورسٹی حیدرآباد کے ماہر ڈاکٹر نے بیماری کی تشخیص کی اور علاج تجویز کیا۔علاج جاری تھا ع

لیکن مرض بڑھتا گیا ، جوں جوں دوا کی

بالآخر ۲۸ صفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۷ مارچ ۲۰۰۸ء کو جمعہ کے دن صبح کو آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔اناللہ وانا الیہ راجعون

اسی دن نماز جمعہ کے بعد مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔نماز جنازہ حافظ عبدالصمد صاحب نے پڑھائی۔ اس کے بعد آپ کی میت کو ان کے آبائی گاؤں کھر ڑاھ لایا گیا۔وہاں دوبارہ نماز جنازہ ادا کی گئی جو کہ آپ کے فرزند حافظ خالد اکرم نے پڑھائی اور رات کو ۸ بجے کے قریب آپ کے آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ پہنچی وہیں پہ خاک، جہاں کا خمیر تھا

مشاہیر نامہ

# مکاتیب

## مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ بنام مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ

(..................①..................)

دفتر الفرقان بریلی
۲ شوال المکرّم ۶۲ھ

محترمی! وفقنا الله وایاکم لما یحب ویرضی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موصول ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس دینی خیرخواہی کی بہتر جزا دے۔ جواباً معروض ہے۔

①......صدقہ فطر کے بارہ میں ابوداؤد کی جو روایت آپ نے بحوالہ مشکوٰۃ، ص: ۱۶۰ نقل فرمائی ہے وہ اسناداً ومتناً مضطرب ہے۔ امام بیہقی نے ''معرفۃ'' میں اس کی اضطراب پر کلام کیا ہے۔ اور نظر فقہی میں اس میں ایک معنوی علت یہ ہے کہ دوسری متعدد احادیث صحیحہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ اصولی تعلیم معلوم ہو چکی ہے کہ صدقات کا مطالبہ ''فقراء'' سے نہیں ہے...... جو خود صاحب حاجت اور لائق امداد ہیں......اور یہ چیز احادیث سے بطور اصول اور مرضیٔ شارع کے معلوم ہوئی ہے۔ پس کسی ایک مضطرب الاسناد والمتن روایت کی بنیاد پر اس کی تخصیص صحیح نہ ہوگی۔ بلکہ شارع کے اس اصول کا ثبوت اس روایت میں خود ایک مزید ''علت'' ہوگا۔

بہر حال وجوب صدقہ فطر کے لیے فی الجملہ یسار اور غنی کی قید میرے خیال میں درایۃً وروایۃً بالکل صحیح ہے۔ ہاں اس یسار اور غنی کی تقدیر مقدار نصاب کی مالکیت سے (کما ذهب اليه ابو حنيفه رحمہ اللہ) یا مالکیت مقدار صدقۂ فطر فاضلاً عن قوت هذه اليوم سے (کما ذهب اليه الشافعي رحمہ اللہ) یہ ایک اجتہادی امر ہے جس میں گنجائش ہے۔

یہ تو وہ معروض ہوا جو نفس مسئلہ کے متعلق اس عاجز کی سمجھ میں آیا ہوا ہے اور جس پر یہ مطمئن ہے۔ ہاں اس گرامی نامہ سے اپنی ایک تقصیر کا احساس ہو گیا اور وہ یہ کہ مجھے اُس موقع پر یہ واضح کر دینا چاہیے تھا کہ یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ نیز یہ کہ جو شخص مقدار نصاب کا اگرچہ مالک نہ ہو لیکن اپنی حالیہ حاجت سے علاوہ صدقۂ فطر دینے کی استطاعت رکھتا ہو اُس پر اگرچہ وجوب نہیں ہے لیکن اگر وہ ایثار اور ہمت سے کام لے تو یہ اس کے لیے تطوع اور خیر ہے۔ حنفیہ نے اپنی کتابوں میں اس کی تصریح بھی کی ہے۔ یہ مقالہ چوں کہ کتابی حیثیت رکھتا ہے اس لیے امید ہے کہ اس کی مستقل کتابی طباعت کی ان شاء اللہ نوبت آئے گی۔ ان شاء اللہ اس وقت اس میں یہ وضاحت کر دوں گا۔

یہ مسئلہ چوں کہ حنفیہ اور شافعیہ کے درمیان اور پھر احناف اور اہل حدیث کے درمیان مختلف فیہا ہے اور ایسے مسائل پر میں ''الفرقان'' میں بحث صحیح نہیں سمجھتا۔ اس لیے اُس میں اس مسئلہ پر کچھ لکھنے اور شائع کرنے سے معذور ہوں، اسی واسطے یہ سطریں جناب کو لکھ دیں۔

ہاں دوسرے مسئلہ (تین دن سے کم میں دورِ قرآن ختم کرنا) چوں کہ اس قسم کے اختلافی مسائل میں سے نہیں ہے اور دوسرے بعض اہل علم کو بھی یہ ہی شبہ ہوا ہے اس لیے اس پر ان شاء اللہ کسی قریبی اشاعت میں مفصل کلام کروں گا۔ اس مضمون کا آپ سے یا آپ کے ارادے سے کوئی تعلق نہ ہوگا وہ ایک مستقل مضمون ان شاء اللہ ہوگا۔ میرے خیال میں اس بارہ میں جن اہل علم کو شک ہوا ہے انہوں نے بطور خود کچھ بھی غور کرنے کی کوشش نہیں

فرمائی۔حالاں کہ بہت معمولی غور سے اس حدیث کا محمل معلوم ہوسکتا ہے۔

بہر حال اس عاجز کے نزدیک اس بارے میں جو صحیح وصواب ہے ان شاء اللہ اسے الفرقان ہی میں تفصیل سے عرض کروں گا وہ ذرا طویل چیز ہوگی۔اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ کی اس تحریک سے اس مسئلہ پر بھی اور زیادہ غور کرنا پڑا اور بحمد اللہ پہلے سے بہت زیادہ شرح صدر ہوگیا۔والحمد للہ علی ذالک

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

پہلے مسئلہ پر میں نے جو مختصراً اظہار خیال اس عریضہ میں کیا ہے اس کا منشا صرف اپنا عندیہ آپ کے سامنے عرض کر دینا ہے، آپ کے خیال کو متاثر کرنا مقصود نہیں ہے اور اس قسم کے مسائل میں ایک سے زیادہ رایوں کی بہت زیادہ گنجائش ہے۔

والسلام آخراً

(..................۲..................)

مؤرخہ 30 جولائی 08

مکرمی محترمی زید مجدکم

سلام مسنون! دس دن کے سفر کے بعد پرسوں میری واپسی ہوئی ہے۔گرامی نامہ غالباً میری روانگی کے دن ہی لکھنؤ پہنچ گیا تھا، اور میں نے اس کو اپنے ساتھ اسی نیت سے رکھ لیا تھا کہ سفر ہی سے جواب دوں گا لیکن پورے دس دن اس طرح گزرے کہ جواب لکھنا شروع بھی نہ کر سکا۔اب واپس آ کر ہی یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ میں سفر پاکستان سے قریباً سال بھر پہلے جب کہ میں طویل عرصہ تک مریض رہا تھا اور مرض کی نوعیت ایسی تھی کہ خیال ہوتا تھا کہ شاید یہ آخری مرض ہے میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اپنی اسی سرگزشت کو لکھ کر مولوی عتیق الرحمٰن سلمہ اور مولانا علی میاں کے سپرد کردوں اور یہ وصیت کردوں کہ اگر کسی وقت یہ بات کھل جائے کہ مولانا مودودی کی مقبولیت دین کے لیے فتنہ اور امت کے لیے کسی ضلال کا باعث بن رہی ہے تو اس کو شائع کر دیا جائے، اسی تصور کے ماتحت میں نے اس وقت بستر علالت پر خود ہی لکھنا شروع کیا تھا۔لیکن ابھی تھوڑا سا ہی لکھ پایا تھا کہ طبیعت اچھی ہوگئی اور دل میں اس کے اتمام کا ویسا تقاضا نہیں رہا۔اب گزشتہ نومبر میں جب پاکستان جانا ہوا اور مولانا اصلاحی اور حکیم صاحب سے تفصیلی باتیں ہوئیں تو میری یہ رائے قائم ہوگئی کہ جو کچھ میں نے اس وقت لکھنا چاہا تھا اس کو پورا کرا کے اب شائع کر دیا جائے، چناں چہ سال بھر پہلے لکھی ہوئی اپنی تحریر اور یاد سے مرتب کیے ہوئے اپنے نوٹ سامنے رکھ کر میں نے املاءً وہ بیان لکھوایا۔اور اتفاق سے ان دنوں میری طبیعت پھر خراب ہوگئی تھی۔

بہر حال مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ یہ جو کچھ میں نے لکھایا دراصل وہ سال بھر پہلے کا سوچا ہوا خاکہ تھا۔اُس وقت مجھے آپ حضرات کے متعلق اس طرح کا کوئی خیال بھی نہیں تھا پھر غلطی یہ ہوئی کہ املاء کے وقت اس میں بعض وہ اجزاء بھی آ گئے جو نئی صورتِ حال میں مناسب نہ تھے۔خاص کر مولانا اصلاحی کے اس جملہ کے شائع ہوجانے کا مجھے خود سخت قلق ہے لیکن بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قضا وقدر کا فیصلہ تھا ورنہ میں ذرا بھی سوچتا تو وہ جملہ شائع نہ ہوتا۔اس سے میرے مقصد کو فائدہ ذرہ برابر بھی نہیں پہنچتا بلکہ کچھ نقصان پہنچ جاتا ہے۔اسی طرح کی کچھ اور چیزیں بھی اس میں ایسی ہی آ گئی ہیں لیکن مجھے الحمد للہ اب اس کا بالکل اطمینان ہے کہ ان چیزوں کا قلم سے نکل جانا انجام کار بہتر ثابت ہوگا۔

﴿ عسٰی ان تکرھوا شیئاً وھو خیراً لکم ﴾ یہ مضمون یا بیان وقتی نہیں ہے۔

میں نے عام علمائے دیو بند کے رویہ کی توجیہ نہیں کی ہے بلکہ بعض خاص اہل قلوب کے رویہ اور حال کے متعلق اپنا ایک خیال اور وجدان ذکر کیا ہے۔ اگر آپ ان حضرات سے اتنے ہی واقف ہوتے جتنا میں ہوں تو آپ کو میری بات میں یہ نکارت محسوس نہ ہوتی، اور اس کو بھی میں نے اپنی سرگزشت کے ایک جز کی حیثیت سے ذکر کیا ہے، ورنہ مجھے ان بزرگوں کی حمایت اور تائید سے کوئی خاص دلچسپی اب بھی نہیں ہے۔

جی ہاں! حکمت عملی کا مسئلہ جس طرح اٹھایا گیا ہے میرا اندازہ بھی یہی ہے کہ یہ مسئلہ وسیع اور خطرناک فتنہ بن سکتا ہے، جولائی کا الفرقان نظر سے گزر چکا ہوگا جو پچھلے ہفتے ہی شائع ہوا ہے، مولوی عتیق الرحمان سلمہ کا ارادہ مسئلہ پر سیر حاصل بحث کرنے اور تفصیل سے ان کے دلائل کا جائزہ لینے کا ہے اگلی اشاعت میں صرف حدیث الائمہ من قریش پر بحث ہوگی۔ اس کے بعد دوسری چیزوں پر ترتیب وار گفتگو کرنے کا ارادہ ہے، ضرورت ہے کہ آپ حضرات اس چیز کی طرف خصوصیت سے توجہ فرمائیں۔

مولانا اصلاحی کے سفر حج کا علم تو مجھے تھا، انہوں نے لاہور کی ملاقات میں بھی ذکر کیا تھا۔ لیکن حکیم صاحب کے جانے کی اطلاع مجھے آپ کے اس خط ہی سے ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے اس سفر کو پوری طرح قبول فرمائے، اور بسلامت وعافیت واپس لائے۔ غالبًا اب تو ان حضرات کی تشریف آوری عنقریب ہی ہوگی۔ اور کیا عجب ہے کہ تشریف لا چکے ہوں۔ میرا یہ خط حکیم صاحب کو بھی دکھلا دیجیے۔ اور تشریف لانے پر میرا سلام پہنچا دیجیے، نیز ان کی آمد کی اطلاع کا بھی میں منتظر رہوں گا۔

حدیث الائمہ من قریش پر جو کچھ لکھا گیا ہے میرا بھی اندازہ یہ ہے کہ شاید اس سے پہلے اس پر اتنی تحقیق اور تفصیل سے نہیں لکھا گیا۔ اس شر سے یہ خیر تو بلاشبہ پیدا ہوا کہ اس حدیث پر سیر حاصل بحث ہوگئی۔ خدا کرے مزاج بعافیت

گرامی نامہ کی ایک بات جواب سے رہ گئی...... مولانا مودودی کی اور میری اُس وقت کی خط وکتابت اور اسی طرح کے کچھ اور اہم خطوط میں نے ایک بنڈل میں بندھوا کر رکھ دیئے تھے۔ اس عرصہ میں بریلی سے لکھنؤ اور لکھنؤ میں رہائشی مکان کی متعدد تبدیلیاں ہوئیں اب وہ بنڈل ہاتھ نہیں آ رہا ہے۔ ورنہ کسی خط کی اشاعت میں اب میرے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی، جس خط کی نقل کے لیے آپ نے تحریر فرمایا ہے اُس کا مضمون بعض خاص الفاظ کے تعین کے ساتھ حافظہ میں محفوظ ہے وہ مختصر خط تھا اور کارڈ ہی پر تھا۔ اس میں دو خاص باتیں تھیں: ایک میں میرے معاملہ کو ایکٹنگ اور پھر مجھے ایکٹر قرار دیا گیا تھا۔ (اور یہ دونوں لفظ استعمال کیے گئے تھے) اور دوسری بات یہ تھی کہ میں نے بھی تمہارے حق میں شہادت دی ہے، اس لیے میرے سامنے بھی یہ سوال ہے کہ اب جو کچھ میں نے تمہیں جانا سمجھا ہے وہ میں بھی ظاہر کردوں (یہ ان کے خط کے دوسرے جز کا مفہوم یاد رہ گیا ہے) اور میں نے اس خط سے یہی سمجھا تھا کہ مولانا مجھے خبردار کرنا چاہتے ہیں کہ اگر تم نے میرے بارہ میں ''وہ چیزیں'' لکھیں تو پھر میں تمہاری پوری خبر لوں گا۔ اور چوں کہ مولانا کے ساتھ رہنے کے بعد مولانا کے ساتھ حسن ظن کی زیادہ گنجائش نہیں رہی تھی اس لیے اس خط سے میں نے وہ اثر لیا تھا جس کا میں نے اپنے بیان میں ذکر کیا ہے۔ اس خط کے پہلے تک میری اور مولانا کی جو خط وکتابت ہوتی رہی (دارالاسلام سے میرے آ جانے کے بعد بھی) اس میں اس رنگ کا شائبہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ وہ ویسی ہی تھی جیسی کہ ہم دونوں کے درمیان ہونی چاہیے تھی۔

والسلام

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

(.................③.................)

۱۵ جون ۷۶ء

صدیقی المحترم مولانا عبدالغفار حسن صاحب! احسن اللہ تعالیٰ الیکم و الینا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں سفر میں تھا، معمول کے خلاف سفر کچھ طویل ہو گیا، پرسوں ہی لکھنؤ واپسی ہوئی ہے، گرامی نامہ ڈاک میں رکھا ہوا ملا۔ اس عنایت اور زحمت کے لیے دل سے شکر گزار ہوں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا جلسہ جنوری میں ہوا تھا، اُس میں مجلس کے بعض ارکان نے یہ مسئلہ اٹھایا کہ اب سے ۶۰، ۷۰ سال پہلے ہمارے بعض بزرگوں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اُن کی جماعت کے بارہ میں اپنی سخت مخالفانہ رائے کا اظہار کیا تھا۔ جو اُس رائے سے بھی مختلف تھی جو اُس سے پہلے جماعت دیوبند کے مرشد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اپنے فتوے میں ظاہر کر چکے تھے......لیکن اب جب کہ شیخ ممدوح اور اُن کے سلسلہ کے علماء کی کتابیں عام طور سے شائع ہو چکی ہیں اور ہم لوگوں کے مطالعہ میں بھی آ چکی ہیں تو یہ حقیقت ظاہر ہو گئی ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جو مخالفانہ رائے ظاہر کی تھی وہ غلط معلومات اور غلط شہرت پر مبنی تھی اور وہی رائے صحیح ہے جو حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ نے اپنے فتوے میں ظاہر کی تھی......اور اب وہی ہمارا......یعنی موجودہ جماعت دیوبند......کا موقف ہے تو اس کی وضاحت ہو جانی چاہیے......بعض حضرات کی یہ رائے ہوئی کہ اس کی بہتر صورت یہ ہو گی کہ اس بارہ میں دارالعلوم سے سوال کیا جائے اور اُس کے جواب میں تفصیل کے ساتھ اپنے موقف کی وضاحت کر دی جائے۔

مولانا علی میاں اب سے ۳ مہینے پہلے جب مارچ میں مدینہ طیبہ جا رہے تھے تو میں نے اُن کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ وہیں سے کسی مخلص سے اس بارہ میں سوال بھجوا دیں۔ غالباً میں نے یہ بھی عرض کر دیا تھا کہ سوال کسی ہندوستانی یا پاکستانی کی طرف سے نہ ہو تو اچھا ہے......مولانا نے آپ کو زحمت دی، اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے۔ آپ نے بڑی عنایت فرمائی، اور خاص کر مولانا اسمٰعیل (گوجرانوالہ) مرحوم کی مطبوعہ تحریر کے اوراق بھیج کر بڑا احسان فرمایا، مجھے مولانا کی اس تحریر کا علم نہیں تھا......لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ اوراق مولانا مرحوم کے کس رسالہ کے ہیں......آپ نے دو ورق ارسال فرمائے ہیں ان پر ۱۳ سے ۱۶ تک کا ہندسہ ہے۔ مجھے ان سے پہلے ۱۲ صفحے دیکھنے کا بھی اشتیاق ہے بلکہ یہ رسالہ ضروری ہے۔ اس لیے گزارش ہے کہ برائے کرم وہ ابتدائی ۱۲ صفحات بھی خلیل الرحمٰن سجاد سلمہ کو عنایت فرما دیں وہ جامعہ کی تعطیل میں یہاں آنے والے ہیں ساتھ لیتے آئیں گے، اگر واپسی ضروری ہو تو وہ اپنے ساتھ ہی واپس بھی لے جائیں گے۔ اگر اس سلسلہ کی کوئی اور تحریر اس طرح کی ہو تو براہ عنایت اُس سے بھی مطلع فرمائیں اور خلیل الرحمٰن سلمہ کو عنایت فرما دیں تو بڑا اکرم واحسان ہو گا۔ اگر فرمائیں گے تو وہ بھی واپس کر دی جائے گی......مولانا اسمٰعیل صاحب مرحوم کی اس تحریر سے موضوع کے بارے میں بڑی روشنی ملی۔

عنقریب ہی دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا جلسہ ہونے والا ہے ان شاء اللہ۔ آپ کا گرامی نامہ ساتھ ہی لے جاؤں گا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کا مستقل قیام نصیب فرمایا ہے اور وہ بھی علم دین کی خدمت کے سلسلہ میں، کیسی قابل رشک نعمت ہے۔ ﴿ وفی ذالك فليتنافس المتنافسون ﴾
اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔ دعاؤں کا طالب ہوں۔

والسلام
محمد منظور نعمانی

آج ہی خلیل الرحمٰن سجاد سلمہ کو رجسٹرڈ خط بھیجنا ہے، مناسب یہ سمجھا کہ یہ عریضہ بھی اُس کے ساتھ بھیج دوں......ان شاء اللہ وہی آپ کی خدمت میں پہنچا دیں گے اور میں نے مولانا اسمٰعیل مرحوم کی مطبوعہ تحریر کے جن اوراق کے لیے عرض کیا ہے آپ ان شاء اللہ ان کو عنایت فرما دیں گے۔

والسلام آخراً
نعمانی

# بتایئے تورا بورا کس کا بنا......؟

## 2004ء سے اب تک پاکستان میں 30,643 ہلاکتیں ہوئیں اور افغانستان میں 10816 ہلاکتیں......!

اوریا مقبول جان

دو کروڑ خانماں برباد، بے آسرا، دربدر اور دلوں میں نفرت کی چنگاریاں لیے لوگوں کو دیکھ کر آج ہر طالع آزما کا جی للچا رہا ہے۔ ہر کوئی انہیں آگ دکھا کر ٹوٹ پڑنے، گھروں کو لوٹنے، کھیتوں کلیانوں کو تاراج کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ وہ جو اس ملک کے ٹی وی چینلوں، اخباروں اور جلسوں میں لمبے لمبے خطابوں میں دس سال اس قوم کو بزدلی، بے غیرتی اور امریکا کی غلامی کا درس دیتے رہے، جن کے حلق اس بات پر خشک ہوجاتے تھے کہ اگر ہم امریکا کا ساتھ نہ دیتے تو ہمارا تورا بورا بنا دیا جاتا۔ ہم نے افغان بھائیوں پر بم برسانے کی اجازت دے کر، ان کے ساتھیوں کو پکڑ کر امریکا کے حوالے کر کے اور ان پر حملے کے لیے تمام خفیہ معلومات مہیا کر کے اپنے ملک کو امن کا گہوارہ بنا لیا ہے؟ اسے خون اور آگ کے دریا سے بچالیا ہے؟ آج یہ رہنما لوگوں کو انقلاب فرانس کی طرز پر اٹھ کھڑے ہونے کے لیے چیخ و پکار کر رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ آج سے سات سال قبل جب میں نے انقلابِ فرانس کی جانب بڑھتی ہوئی اس قوم کے بارے میں لکھنا شروع کیا تو کیسا کیسا مذاق اڑایا گیا۔ یہ ملک اور انقلاب، یہ قوم اس قابل ہی نہیں، یہاں کبھی انقلاب نہیں آسکتا۔ یہ سب چند دہشت گردوں کی سازش ہے۔ اسے سختی سے کچل دو سب جگہ امن وامان ہوجائے گا۔

پھر ہم نے سختی سے کچل کر امن وامان قائم کرنے کی جانب سفر شروع کیا۔ ایک اللہ کا کلمہ پڑھنے والے اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں پر ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑنے کے لیے زمین پیش کی۔ جب ہم یہ سب کچھ کر رہے تھے تو ہمارے پڑوس میں ایسے افغان تھے جن کو یہ یقین اور ایمان کی دولت میسر تھی کہ وہ اگر بندوق اٹھا کر لڑ رہے ہیں تو ایسے لوگوں سے جو کلمہ گو نہیں۔ انہیں یقین تھا کہ ان کی جنگ ایک کفر پر قائم عالمی طاقت کے خلاف ہے۔ ایک نہیں بلکہ دنیا بھر کے چالیس سے زیادہ ممالک کی افواج کے خلاف جو ان کے ملک پر اس لیے حملہ آور ہوئے کہ وہاں غیور اور ایمان کے جذبے سے سرشار افغان بستے ہیں۔ وہاں پر لڑنے والے کسی سپاہی یا عام آدمی کو ایک دن کے لیے بھی شک تک نہ گزرا کہ وہ اللہ کے راستے کا مجاہد نہیں اور اس کی منزل شہادت نہیں۔

ان کا یہ ایمان اس بنیاد پر تھا کہ انہوں نے خودداری و غیرت اور اللہ پر بھروسے کا اظہار کرتے ہوئے امریکا اور اُس کے اتحادیوں سے ٹکرانے کا فیصلہ کرلیا اور میرے اللہ کا یہ دستور ہے کہ وہ اُس پر بھروسہ کرنے والوں کو تنہا نہیں چھوڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج امریکا اور اُس کے اتحادی کمزور، نہتے اور بے سروسامان افغانوں سے جنگ ہار چکے ہیں اور اب امریکا اپنے لیے عزت سے واپسی کا راستہ تلاش کرتا پھر رہا ہے۔

دوسری جانب ہم تھے جنہوں نے نہ غیرت وحمیت دکھائی اور نہ خودداری، اس لیے کہ ہمارا بھروسہ اللہ پر نہیں بلکہ عالمی طاقتوں پر تھا۔ پھر ہمارا ایسا تورا بورا بنا کہ ہر کوئی چیخ اُٹھا۔ خیبر کے پہاڑوں سے لے کر کراچی کے ساحلوں تک کوئی شہر محفوظ نہ رہا۔ مارنے والوں کو خواہ وہ سرکار سے ہوں یا جنگجو دہشت گرد، ان کو بار بار یقین دلانا پڑتا تھا کہ تم حق پر ہو۔ شہید، جاں بحق، ہلاک اور قتل کے الفاظ اس قدر سستے ہوگئے کہ ایک دوسرے نے اپنے حق اور اپنے خلاف لڑنے والوں کے لیے استعمال کیے۔ ہزاروں فتوے جاری ہوئے، کئی سو علماء کی امن کانفرنسیں ہوئیں لیکن دونوں جانب خون مسلسل بہتا رہا۔ نہ مارنے والے کو یقین تھا کہ وہ کیوں مار رہا ہے اور نہ مرنے والے کو پتا تھا کہ وہ کیوں قتل کیا گیا۔

بالکل سیّد الانبیاء ﷺ کی اُس حدیث کے مطابق کہ جو احادیث کی تمام کتابوں میں باب الفتن میں آئی ہے کہ تم پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ نہ قتل کرنے والوں کو پتا ہوگا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور نہ مقتول کو پتا ہوگا کہ وہ کیوں قتل کیا گیا۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ ہم امن کی تلاش اور تورا بورا سے بچنے کی آرزو اللہ سے نہیں رکھتے تھے۔ امریکا کی دوستی اور اپنے زور بازو پر ہمیں بھروسہ تھا۔

ذرا دنیاوی طور پر ان دنوں ملکوں کی اس جنگ کی بیلنس شیٹ ملاحظہ کریں۔ ایک وہ قوم جو اللہ کے سہارے دنیا کی عالمی طاقتوں کو شکست دے چکی اور دوسرے ہم جو امریکی دہشت گردی کی جنگ پر نہ قابو پا سکے ہیں اور نہ اس قابل ہیں چاہے ہم بڑے بڑے دعوے کرتے پھریں۔ یہ اعداد و شمار نیو ہمپشائر یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ہیرالڈ نے آزادانہ ذرائع سے مصدقہ طور پر جمع کیے ہیں۔ یہ یونیورسٹی اپنی ویب سائٹ پر 2004ء سے ان اعداد و شمار کو روزانہ کی بنیاد پر درست بلکہ اَپ ڈیٹ کرتی آ رہی ہے۔

افغانوں کی امریکا کے خلاف جنگ میں امریکا اور اُس کے اتحادیوں کے اگست 2010ء تک 10,816 لوگ ہلاک ہوئے۔ جن میں 1,140 امریکی، 772 دیگر ممالک، 8587 افغان فوجی، 298 امریکی ٹھیکیدار اور 19 صحافی شامل ہیں۔ جب کہ افغان طالبان کی اموات کی تعداد جن میں شہروں کی اکثریت شامل ہے 8,813 جو کہ ان سے دو ہزار کم ہے۔ اس جنگ میں 48,644 لوگ بری طرح زخمی ہوئے جن میں 32,581 امریکی اتحادی اور افغان فوجی تھے جب کہ طالبان اور عام شہری اس سے آدھی تعداد یعنی 15,863 بری طرح زخمی ہوئے۔ یہ تھا ان کا تورا بورا جو بنا لیکن اس تورا بورا کے نتیجے میں افغانوں کو یہ یقین اور ایمان ملا کہ وہ اللہ کی راہ میں شہید ہو رہے ہیں اور دوسرا ایک عالمی طاقت کو شکست دینے کی خوش خبری۔

اب بیلنس شیٹ کے اس حصے کی طرف آئیں جو ہمارے کھاتے میں آیا۔ جس کی ابتدا پرویز مشرف کے خوف، دانشوروں کے امریکی طاقت پر ایمان اور انقلاب فرانس کی بات کرنے والوں کی بلا چون و چرا حمایت سے مرتب ہوئی۔ یہ تمام اعداد و شمار بھی دنیا کی کسی معتبر ویب سائٹ پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ پاکستان میں 2003 سے اگست 2010ء تک 30643 لوگ دہشت گردی کی جنگ میں اس جہان فانی سے کوچ کر چکے ہیں۔ ان میں 3191 سیکورٹی فورسز کے افراد ہیں، 8789 عام شہری اور 18663 دہشت گرد۔ افغانستان میں کل ملا کر تمام ہلاکتیں 19629 ہیں اور ہماری 30643۔

اب ذرا خود سچے دل سے اس بات کا فیصلہ کیجیے کہ تورا بورا کس کا بنا؟ یقین اور ایمان کی دولت کس کے ہاتھوں سے جاتی رہی۔ کس کے شہروں میں آج دہشت گردی کا راج ہے، کون سا ملک ہے جس کی مسجدیں، سکول، کالج، دفاتر آج خوفزدہ ہیں؟ اس موت کے کھیل میں اگر ہم امریکا کا ساتھ نہ دیتے تو کیا پھر بھی کوئی طالبان کا نمائندہ، امریکا یا بھارت کا ایجنٹ میرے ملک کے نوجوانوں کو گمراہ کر سکتا تھا کہ تم یہاں کی سیکورٹی فورسز سے لڑو کہ یہ امریکا کے اتحادی ہیں۔ انہیں شاید ایک شخص بھی ملنا مشکل ہوتا۔ کیا میرے ملک کے دونوں متحارب گروہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور صرف اللہ کے لیے کیا۔ ہمیں آج بھی شہادت کا مرتبہ حاصل کرنے اور جہنم رسید کرنے کا سرٹیفکیٹ فتووں کی صورت چاہیے۔ لیکن میرا اللہ تو دلوں اور نیتوں پر فیصلہ کرتا ہے۔ وہ بے گناہوں کو یقیناً سزا نہیں دے گا۔ لیکن اُس نے ان بدترین گناہ گاروں کے لیے جو عذاب تیار کیا ہے جنہوں نے اس ملک کو اس جنگ میں جھونکا، وہ سب اس کا تماشہ جلد دیکھ لیں گے۔ یہ دو کروڑ بے آسرا، خانماں برباد اور لٹے پٹے لوگوں کی فوج میرے اللہ نے تیار کی ہے۔ اسے کوئی دوسرا اب نعروں اور تقریروں سے اپنے پیچھے نہیں لگا سکے گا۔ انہیں بصیرت بھی میرا اللہ عطا کرے گا اور دوست دشمن کی پہچان بھی۔ اس لیے کہ اہل بصیرت اور اہل نظر جانتے ہیں کہ اس آزمائش اور عذاب کی کوکھ سے ایک ایسی قیادت اُبھرنے والی ہے جو اس ملک کو جو اللہ کے نام پر بنا ہے امن، مساوات اور عدل سے بھر دے گی۔ یہ میلہ آپ کے لیے نہیں لگا اس کا دولہا آنے والا ہے۔ ذرا انتظار تو کرو پھر دیکھنا کس کے سر چوراہوں پر لٹکے ہوں گے اور کون میرے اللہ کے نام کی تختی والے اس ملک کو امن و آشتی سے بھر دے گا۔

[بہ شکریہ، ایکسپریس لاہور]

# ایڈیٹر کی ڈاک

مکرمی جناب محمد سلیم چنیوٹی صاحب
منیجر ہفت روزہ الاعتصام، لاہور

السلام علیکم! خیریت جانبین مطلوب، صورت احوال آنکہ
آپ کے ارسال کردہ الاعتصام کے دو پرچے موصول ہوئے، بتاریخ ۴ جون تا ۱۰ جون ۲۰۱۰ء، جس میں مولانا احمد الدین صاحب کے بارے میں آپ کا لکھا ہوا مضمون ہے۔ اسے میں نے بغور پڑھا ہے۔ میں چوں کہ مولانا مرحوم ومغفور کا سگا بھتیجا ہوں اس لیے میں اس مضمون میں ان کے خاندانی پس منظر کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلی بات کچھ اس طرح ہے کہ ہمارا خاندان سیکڑوں برسوں سے گکھڑ میں ہی مقیم ہے۔ موضع جھام والا عرف (جھاں والے) سے ہمارا صرف یہ تعلق ہے کہ مولانا صاحب اور میرے والد صاحب مستری عبداللہ مرحوم کا ننھیال (نانکے) اس گاؤں (جھام والا) میں تھے۔ اب خاندان میں کوئی بزرگ اتنی عمر کا زندہ نہیں جو یہ بات بتا سکے کہ مولانا احمد الدین جھام والا میں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن پنجاب کی روایت کے مطابق گمان ہے کہ ہماری دادی عمر بی بی پہلی زچگی کے لیے اپنے میکے چلی گئی ہوں تو یہ بات دوسری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میرے دادا جناب حاجی اللہ دتہ صاحب کے ہاں ۴ بچے پیدا ہوئے۔ سب سے بڑے حضرت مولانا احمد الدین صاحب اور ان سے چھوٹے میاں فضل احمد اور ان سے چھوٹی ایک بہن رابعہ بی بی اور اس سے چھوٹے میرے والد صاحب مستری عبداللہ تھے۔ میں دو سال کا تھا جب میرے والد جناب مستری عبداللہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔

ان کے ایک سال بعد میرے نانا میاں فضل احمد صاحب بھی وفات پا گئے۔ اس لیے میں ان اپنے بزرگوں کو نہ دیکھ سکا۔ میں نے صرف اپنے تایا جی مولوی احمد الدین صاحب ہی کو دیکھا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے مولوی صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مولوی سلطان احمد صاحب (نت کلاں) سے علم حاصل کیا ہے۔ اور مولوی سلطان احمد صاحب دہلی سے پڑھ کر آئے۔ مولانا صاحب (سلطان احمد) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ ہم بھائیوں کو علم کی طرف راغب کرنے کے لیے اکثر وہ یہ کہا کرتے تھے کہ تم لوگوں کو علم کا احساس ہی نہیں ہے۔

وہ اکثر یہ واقعہ سناتے تھے کہ مولوی سلطان احمد صاحب انصاری تھے۔ اور اس وقت کے جولا ہے۔ ہر روز گلی میں تانا لگایا کرتے تھے یعنی زمین میں کیل ٹھونک کر دوسری طرف کے کیل کوئی ۲۰۰ گز دور لگایا کرتے تھے، اور ہاتھوں میں لکڑی کی سوئیاں جن کے سروں پر سوتر کے نڑے ہوتے تھے ان کے ذریعہ وہ آگے پیچھے آیا جایا کرتے تھے۔ یعنی ہر چکر میں تقریباً ۴۰۰ گز کا فاصلہ طے کرتے تھے۔ مولانا احمد الدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں ہاتھ میں کتاب لیے اپنے استاد مولانا سلطان احمد کے ساتھ ساتھ چلتا جاتا اور پڑھتا جاتا۔

تیسری بات کچھ اس طرح ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے (جس کا مجھے ٹھیک اندازہ نہیں) مولانا احمد الدین صاحب کی شادی ان کی سگی خالہ کی بیٹی محمد بی بی سے ہوئی تھی۔ یہ شادی تین سال یا ساڑھے تین سال تک چلی۔ پھر میاں بیوی کے درمیان طلاق ہوگئی۔ اس عرصے میں مولانا صاحب کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس کے بعد مولانا نے پھر شادی نہیں کی۔

جہاں تک مجھے علم ہے مولانا احمد الدین صاحب بہت لمبا عرصہ فیصل آباد (اس وقت لائل پور) میں محلّہ مومن آباد کی کسی مسجد میں خطیب رہے۔ جس کا حوالہ مولوی محمد صادق سیالکوٹی کی کتاب صلوٰۃ الرسول میں بھی ملتا ہے، جس میں مولانا نے اس کتاب پر اپنی رائے دی ہے۔ اور تاریخ ۱۵۔ اگست ۱۹۴۹ء لکھی ہے، مرض الموت میں مبتلا ہونے سے پہلے پیرانہ سالی کے باوجود حضرت مولانا نظام آباد کی مسجد میں بھی خطیب رہے۔ میں خود ہر جمعہ کے روز انہیں گکھڑ منڈی کے بس اسٹاپ سے

نظام آباد کے لیے بس پر بٹھانے جاتا تھا۔

مولانا صاحب فارسی اور عربی بڑی روانی سے بول لیتے تھے۔ فارسی زبان پر ان کی قدرت تو میں نے بارہا دیکھی اس طرح کہ ہمارے ایک ہمسائے سخی شاہ صاحب تھے، مولانا صاحب کے تقریباً ہم عمر بھی تھے۔ عالم آدمی تھے۔ ان شاہ صاحب کی اکثر ملاقاتیں مولانا صاحب سے ہوتی رہتی تھیں، جن میں ان کا ذریعہ کلام فارسی ہوتا تھا۔

ایک اور بڑی خاص بات کہ گکھڑ منڈی کے محلّہ مغربی میں احمدیوں کی ایک مسجد تھی۔ احمدی حضرات جب بھی اپنے کسی مقرر کو تقریر کے لیے گکھڑ بلاتے تو وہ مقرر جیسے ہی گکھڑ پہنچتا سب سے پہلے ہمارے گھر آ کر مولانا صاحب سے ملتا، گھنٹہ آدھا گھنٹہ مولانا صاحب کے پاس بیٹھتا گپ شپ کرتا۔ پھر اپنی مسجد چلا جاتا۔ اس وقت کے آداب کے مطابق چائے یا شربت سے تواضع ہوتی۔ اس کے جانے کے بعد مولانا صاحب مجھے کہتے کہ یہ برتن گھر کے اندر نہیں لے کر جانا، بلکہ رحمتے جمعدارنی کو دے دینا جو ہمارے گھر آیا کرتی تھی۔ میں نے ایک مرتبہ پوچھا کہ ایسا کیوں؟ تو فرمانے لگے کہ یہ احمدی کافر ہیں۔

ایک واقعہ ان کی دینی غیرت کی مثال ہے۔ ہمارے موروثی گھر کے سامنے گلی کے اس پار عیسائیوں کی بستی ہے اور وہاں پر گرجا گھر بھی ہے۔ گلابی موسم کی ایک رات گرجا گھر میں ایک پادری صاحب تقریر کر رہے تھے اور حضرت مولانا اپنے گھر کی چھت پر چارپائی پر بیٹھے تقریر سنتے رہے۔ تقریر سننے کے بعد مولانا سو گئے۔ دوسرے دن شام کی نماز کے بعد گکھڑ منڈی کی مسجد توحید گنج سے لاؤڈ سپیکر منگوا کر اپنے مکان کی چھت پر نصب کر کے عیسائیوں کی تقریر پر جوابی تقریر کر ڈالی۔ دوسرے دن صبح عیسائیوں کی شکایت پر پولیس انہیں پکڑ کر تھانے لے گئی۔ پھر جس جس آدمی نے یہ سنا کہ مولانا احمد الدین صاحب کو جوابی تقریر کرنے پر پولیس پکڑ کر لے گئی ہے، ہر آدمی اپنا اپنا کام دھندا چھوڑ کر پولیس اسٹیشن جا پہنچا۔ تھوڑی ہی دیر میں تھانے کے باہر لوگوں کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ ایک گھنٹہ کی گفت وشنید کے بعد پولیس کو مولانا کو چھوڑنا پڑا۔

جیسے ہی مولانا صاحب تھانے سے باہر آئے جمع غفیر نے مولانا صاحب کو ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ اس واقعہ کا میں عینی شاہد ہوں۔ مولانا صاحب کے مناظروں کا احوال تو مجھے معلوم نہیں کیوں کہ یہ میری ہوش سے پہلے کی باتیں ہیں۔

اس سارے تذکرے میں اگر ان کے ایک شاگرد کا ذکر نہ کروں تو یہ زیادتی ہوگی۔ یہ صاحب گکھڑ منڈی کی پہلی اہل حدیث مسجد کے بانی اور اپنے وقت کے بہت اچھے مقرر جناب حافظ محمد یوسف گکھڑوی رحمہ اللہ تھے۔ حافظ محمد یوسف صاحب نے اپنی گرہ سے مسجد توحید گنج کی بنیاد رکھی۔ پھر آہستہ آہستہ حفظ وناظرہ مدرسہ بنایا۔ ۲۰ یا ۲۵ طلباء مسجد میں رہتے۔ مسجد ہی ان کے کھانے وغیرہ کا بندوبست کرتی۔ ہر سال معقول تعداد حفاظ کی تیار ہو کر چاروں طرف پھیل جاتی۔ حافظ محمد یوسف صاحب کے ساتھ مولانا مرحوم کا قلبی ذہنی لگاؤ بڑا زبردست تھا۔ مولانا مرحوم کا جنازہ بھی جناب حافظ محمد یوسف صاحب نے ہی پڑھایا تھا اور اس وقت گکھڑ کی تاریخ میں جنازے کا بہت بڑا اجتماع تھا۔ جنازہ D.C ہائی اسکول کی فٹ بال کی گراؤنڈ میں پڑھایا گیا تھا۔ پوری گراؤنڈ بھری ہوئی تھی۔ یہ گکھڑ کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا۔

جنازے میں لوگوں کا اژدھام دیکھ کر ہماری گلی کے ایک صاحب جن کا نام چوہدری نذر محمد پٹواری تھا مولانا صاحب کے ہم عمر تھے۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ ہمیں آج پتا چلا ہے کہ تم کیا چیز تھے۔

مولانا صاحب کی وفات کے کچھ عرصہ بعد میری تایازاد بہن جو کہ گوجراں والا کے بہت بڑے کاروباری خاندان میں بیاہی ہوئی تھیں ان کے سسرال والوں نے اپنے کارخانے کے ساتھ ایک مسجد بنائی جس کا نام مسجد مبارک ہے، جو کہ حافظ آباد روڈ سے ایک گلہ جس کا نام آج بھی گلہ کلر آبادی ہے، اس مسجد کے لیے ہماری بہن آ کر مولانا صاحب کی ساری کتابیں لے گئیں اور وہ ساری کتابیں مسجد کے لیے وقف کر دیں۔ آج بھی کتابیں وہاں پر محفوظ ہیں۔ اور طالب علموں کو علم کی روشنی عطا کر رہی ہیں اور مولانا کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔ مرزا محمد یونس۔ کھوکھر کی۔ گوجراں والا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# جامعہ عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب اہلحدیث

جھبراں

تعلیمی کورسز

## کلیۃ عائشہ صدیقہ للبنات

ناظرۃ القرآن

تحفیظ القرآن

ترجمۃ القرآن

الدراسات الاسلامیہ

الدراسات العصریۃ

فنی تعلیم برائے طالبات

## کلیۃ عائشہ صدیقہ للبنات

داخلہ کیلئے مڈل پاس ہونا ضروری ہے۔ کلیہ کیلئے پرائمری پاس ہونا ضروری ہے۔

## اسلامک گرلز ایلیمنٹری سکول

میں داخلہ محکمہ تعلیم حکومت پنجاب کے شیڈول کے مطابق کیا جاتا ہے

انگلش ریاضی اور قرآنی تعلیم پر خصوصی توجہ دیجاتی ہے

## کلیۃ القرآن برائے طلباء

## داخلہ جاری ہے

نوٹ

داخلہ کیلئے والدین / سرپرست کا ہمراہ آنا ضروری ہے۔

بیرونی طالبات کیلئے قیام و طعام کی بہترین سہولت میسر ہے

حافظ محمد ایوب خالد

جامعہ عمر بن الخطاب اہلحدیث
جھبراں ضلع شیخوپورہ

CA 463NBP

# تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

## سفر مدینہ کی صحیح نیت

**تبصرۂ نگار: محمد اسحاق بھٹی**

مولانا فضل الرحمٰن بن محمد ازہری کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خصوصیات سے نوازا ہے۔ وہ مشہور عالم دین اور ممتاز مصنف ہیں۔ تقریر وخطابت میں بھی ان کا ایک خاص اسلوب ہے جو سامعین کے لیے باعث کشش ہے۔ وہ بنیادی طور پر کاروباری شخصیت ہیں، لیکن کاروبار کے ساتھ ساتھ اللہ نے ان کو توفیق دی کہ علوم دینی کی تحصیل کو مرکز توجہ ٹھہرایا۔ پہلے پاکستان کے بعض رفیع المنزلت علماء سے استفادہ کیا پھر موقع ملنے پر جامعہ ازہر مصر کے نامور اساتذہ سے بھی اخذ فیض کیا۔

اپنے علم سے انہوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور اٹھا رہے ہیں۔ اس کی نشر واشاعت کے لیے کمر ہمت باندھی اور مختلف موضوعات کی متعدد کتابیں تصنیف کیں کہ اربابِ علم کا اصل کام یہی ہے۔ تفسیر قرآن لکھنے کا جذبہ ان کے قلب صافی میں ابھرا تو پانچ جلدوں میں سورۂ فاتحہ سے لے کر سورہ الانعام تک پہنچ گئے۔ دعا ہے کہ جلد تکمیل کو پہنچے اور لوگ اس سے مستفید ہوں۔

کتاب وسنت کی خدمت کو انہوں نے اپنا مقصد حیات ٹھہرا رکھا ہے۔ اس کے خلاف کسی کونے سے کوئی آواز اٹھتی اور ان کے کانوں میں پڑتی ہے تو دل تڑپنے لگتا اور قلم حرکت میں آ جاتا ہے۔ اس کتاب کا محرک بھی ان کا یہی جذبۂ صادقہ ہے۔

محترم مولانا فضل الرحمٰن ازہری نے ایک اخبار کے ایک مضمون میں ایک غیر شرعی بات پڑھی اور اس کے جواب میں ایک ضخیم کتاب معرض تصنیف میں آ گئی۔ مضمون کا جواب مضمون کی صورت میں بھی دیا جا سکتا تھا اور اس پر زیادہ محنت کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اگر وہ مضمون اس اخبار میں نہ چھپتا تو کسی اور اخبار میں چھپوایا جا سکتا تھا۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ انہوں نے اس کتاب کو سامنے رکھا جس کے حوالے سے مضمون لکھا گیا تھا اور کتب حدیث وفقہ کی روشنی میں اس کے مندرجات کا اس انداز سے تجزیہ کیا کہ بے شمار اہم مسائل صفحاتِ کاغذ پر مرتسم ہو گئے، جن سے موجود اور آئندہ نسلیں استفادہ کریں گی۔

بات بہ ظاہر اتنی تھی کہ مدینہ منورہ کا سفر کس نیت سے کیا جائے محض نبی ﷺ کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لیے یا مسجد نبوی (ﷺ) کی بے پناہ اہمیت کے پیش نظر اس میں نمازیں پڑھنے اور بارگاہِ خداوندی میں دعائیں کرنے کے لیے، جب کہ روضۂ اقدس واطہر کی زیارت کا شرف بھی وہیں حاصل ہو جاتا ہے اور نبی ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر درود وسلام بھی پڑھا جاتا ہے جو ہر مسلمان کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس کے متعلق قرآنِ مجید کا واضح الفاظ میں حکم ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝﴾ [الاحزاب: ٥٦]

''اے مسلمانو! تم نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجا کرو۔''

نبی کی ذات ستودہ صفات کو مرکز محبت قرار دینا مسلمان کا بنیادی فرض ہے اور دنیوی واخروی کامرانیوں کا دار ومدار اسی پر ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجنا لازمی ٹھہرا۔

مولانا فضل الرحمٰن ازہری نے اپنی اس کتاب میں اس مسئلے کو منقح کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے کتاب میں متعدد مسائل پر بحث کی ہے اور ہر موضوع کو دلائل سے واضح کیا ہے۔ کتاب بہت سے مباحث

پر مشتمل ہے اور علمی اعتبار سے بحث بے حد اہمیت کی حامل ہے۔ ابتدا میں جمع قرآن، تدوین حدیث اور اقسام حدیث کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام دارمی، امام ابن ماجہ تمام مرتبین حدیث اور اس سلسلے میں ان کی مساعی جمیلہ کا خوب صورت انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

اس کے بعد خاص ترتیب کے ساتھ یہ سلسلہ آگے چلتا ہے اور کتاب قارئین کو بہت سی باتوں سے آگاہ کرتی اور ان کی معلومات میں اضافے کا موجب بنتی ہے۔ کتاب کے مندرجات کی روشنی میں اس کا نام ''سفر مدینہ کی صحیح نیت'' رکھا گیا ہے۔ کتاب تیرہ ابواب پر محیط ہے اور ہر باب میں معلومات کا بیش بہا خزانہ موجود ہے۔

فاضل مصنف مولانا فضل الرحمٰن ازہری نے ''افتتاحی کلمات'' میں وضاحت کی ہے کہ انہوں نے قاضی تقی الدین سبکی کی تصنیف ''شفاء السقام فی زیارت خیر الانام'' کے جواب میں یہ کتاب لکھی ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن ازہری نے قاضی سبکی کی بیان کردہ ہر 'حدیث' کا محققانہ انداز میں جائزہ لیا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ علم حدیث کے متعلق ان کا مطالعہ کتنا وسیع ہے اور رجال حدیث کے بارے میں ان کی معلومات کا دائرہ کہاں تک پھیلا ہوا ہے۔ احادیث کی تخریج بہت اہم اور نازک کام ہے جس پر مولانا موصوف گہری نظر رکھتے ہیں۔

مولانا کو داد دینی چاہیے کہ کتاب تصنیف کرتے وقت انہوں نے ایک سو بیس کتابوں کو سامنے رکھا اور یہ تمام کتابیں تفسیر، حدیث، شروح حدیث، فقہ واصول، رجال حدیث اور تاریخ کے موضوعات سے تعلق رکھتی ہیں، ان میں شیعہ فقہ کی اہم کتابیں بھی شامل ہیں۔ لیکن مولانا فضل الرحمٰن نے ہر بات آسان پیرائے میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ تجربہ کار مصنف ہیں اور قاری کی نفسیات کو خوب سمجھتے ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ قاری کی قوت فہم کہاں ٹھوکر کھا سکتی ہے اور کس مرحلے کو آسانی سے طے کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنے قاری کی پوری پوری رعایت کی ہے اور پیرایۂ اظہار کے لیے آسان تر الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔

ہمیں یقین ہے ان کی پہلی تصانیف کی طرح قارئین اس کتاب کا بھی بڑے شوق سے خیر مقدم کریں گے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کو پذیرائی حاصل ہوگی۔ اس لیے کہ لاکھوں کی تعداد میں لوگ حج اور عمرے کے لیے جاتے ہیں اور مدینہ طیبہ کی حاضری کا شوق بھی ان کے دل میں موجزن ہوتا ہے۔ یہ کتاب ان کی وہاں حاضری کے اصل مقصد کی وضاحت کرتی ہے اور انہیں بتاتی ہے کہ سفر مدینہ کی نیت کیا ہونی چاہیے۔

مولانا نے اپنے ادارے ریز مشینری سٹور نشتر روڈ لاہور کے زیر اہتمام شائع کی ہے۔ کمپیوٹر کمپوزنگ، سفید کاغذ، عمدہ طباعت، مضبوط اور خوب صورت جلد، ضخامت ۵۴۳ صفحات، قیمت ۵۰۰ روپے ہے۔

